لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ: 121 جنوری 2023ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

قندیل ادب انٹرنیشنل کے کچھ شعراء کرام اور ادیب

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

نیا سال نئی امنگ (اداریہ)	رانا عبدالرزاق خان	4
غزلیات: ڈاکٹر فرزانہ فرحت، ساغر صدیقی، ذکی طارق بارہ بنکوی، محمد زاہد رضا بنارسی، جمشید مسرور ناروے، منظور احمد بزمی ملائشیا، فوزیہ ظہیر، عاصی صحرائی، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، آفتاب شاہ، شفیق مراد جرمنی، ڈاکٹر عبدالسلام کے نام۔ ا، ع، ملک۔ مبشر احمد راجیکی، طاہر عدیم جرمنی، کلام مصلح الدین راجیکی، صادق باجوہ امریکہ، توصیف رضا بہار، اسما صبا خواج بہار، حنیف تمنا جرمنی، عبد الجلیل عباد جرمنی، یشب تمنا، فوزیہ ظہیر پاکستان، مظفر احمد مظفر بھارت، کلیم اللہ کلیم بہار، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، عبدالشکور کلیولینڈ، ذکی طارق، محمد زاہد رضا بنارسی، ڈاکٹر مہدی علی قمر، محمد علی مضطر عارفی، عبید اللہ علیم، عظمی محمود، شمیم زمانوی، افضال نوید، عبدالکریم قدسی، طاہرہ ذرتشت ناز، شاہینہ کشور، مبارک صدیقی، بہادر شاہ ظفر، ڈاکٹر مقصود جعفری، امن علی امن، سہیل نور، رئیس اعظم حیدری، رفیق مغل، نجمہ محبوب نجمہ، عبدالحمید حمیدی، شفیق مراد، زیب النساء زیبی، زین وارثی، توصیف رضا رضوی، الیاس آتش پاکستان، نغمانہ کنول یوکے، مختار حیات صدیقی، اعجاز قریشی، امین اوڈیرائی، شبیر حسن شبیر، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، سرفراز تبسم برطانیہ، مبشر سلیم بشر، فوضیہ اختر ردا، ڈاکٹر ناہید کیانی، مشتاق دربھنگوی، طلعت منیر، فیض خمار بارہ بنکوی، احمد نثار انڈیا، سائرہ حمید تشنہ لاہور،		4 تا 20
ڈاکٹر کلیم عاجز۔ یہ طرز خاص ہے کوئی کہاں سے لائے گا	ڈاکٹر مظفر نازنین، کولکاتہ	21
محمد حنیف صحافی	ادارہ	24
سر محمد ظفر اللہ خان ایک احمدی مسلمان	مرزا عبدالرحیم انور لندن	24
جنرل یحییٰ خان کی داشتائیں	عاصی صحرائی	25
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	26
مصنوعی گوشت	رجل خوشاب	26
ادارہ امراض مذہب کا قیام	سبوخ سید	27
مدارس کے علماء کا مبلغ علم	رشید یوسفزئی	28
جب بات احمدی برادری کی ہو تو خاموشی کیوں طاری...	شعیب عادل	30
چاروں طرف لوٹ مار ہی لوٹ مار	قاسم عباس عیسی۔ کینیڈا	31
تاریخ کے جھروکوں سے	فراز حمید خاں	32
آفتابیات	آفتاب شاہ	33
محترم جاجہ غالب وفات پا گئے	اے آر خان	35
حلال اور حرام کا تصور	اسم عباس عیسی سا گا کینیڈا	36
جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے	محمد فہد حارث سرمد خان	37
عبید خان عبید	غزل	38
ایک شام رانا عبدالرزاق خان کے نام	ایاز اکیڈمی یوکے	38
کائنات سے باتیں کرنے والا شاعر ناصر کاظمی	اشعر عالم	39
آدمی نامہ	نظیر اکبر آبادی	40
مسلمان یہود نصاری	ابن راجپوت	42

نیا سال نئی اُمنگ

سب قارئین کو نیا سال ۲۰۲۳ مبارک ۔ نئے سال کے لئے آپ تجدیدی رقم ارسال کر دیں ۔اور دعاؤں کے ساتھ اپنے مراسلات بھی ارسال فرمائیں ۔ یہ ادب کی دنیا ہے ہمیں اردو ادب کو فروغ دینا ہے ۔ساری دنیا میں قندیل ادب بھی ایک اردو ادب کا شجر نونہال ہے ۔آپ سب اہل ذوق کی ذمہ داری ہے کہ اسے پروان چڑھائیں ۔ ہر قسم کا تعاون کریں ۔اپنے دوستوں تک اپنے اطفال تک اسے بروقت پہنچانے کی کوشش جاری رکھیں ۔اردو کو گھر گھر میں بھی فروغ دیں ۔ اپنی نسلوں کو بھی پڑھائیں ۔اردو بولیں ۔ اردو سیکھیں، اردو پڑھائیں ۔اور اردو کی خدمت کرنے والوں سے ہر قسم کا تعاون کریں ۔ کیونکہ اردو دنیا کی چوتھی بڑی زبان ہے ۔اور اردو بولنے والے سارے ممالک میں رہائش پذیر ہیں ۔تمام اہل دانش سے درخواست ہے کہ یہ غنیمت سمجھیں کہ کوئی میگزین اردو کی خدمت پر کمر بستہ ہے ۔اس سے ہماری تاریخ، کلچر، عادات کا آئندہ آنے والی نسلوں کو پتہ چلتا ہے ۔ بہت سے رسالے نکلے مگر ان کے مدیران کی وفات کے ساتھ ہی بند ہو گئے ۔ پھر بھی نئے لوگ آگے آئے اور نئے چراغ جلے تو روشنی جاری رہی ۔ اسی طرح اپنے اپنے حصے کا چراغ جلانے کی ہمیشہ کوشش جاری رکھیں ۔آپ کے تعاون کا شکریہ۔

مدیر

خطوط آپ کے

جناب رانا عبدالرزّاق خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قندیلِ ادب انٹرنیشنل کے شاندار خصوصی شُمارے پر دلی مبارکباد قبُول فرمائیں بارك الله لَکُم ۔ یہ خصوصی شُمارہ رنگا رنگ شعر و سُخن اور مختلف انواع کے نثری شہ پاروں پر مشتمل ہے جو لاریب تشنگانِ علم و ادب کی تشنگی کا مداوا کرنے کا ذریعہ ہونگے ۔اس ضخیم مجلّے کی بہ احسن تکمیل کے پیچھے رات دن کی محنتِ شاقہ کے مظاہر کارفرما نظر آتے ہیں ۔ بے شک بڑے کام بڑی ہمّت اور جاں فشانی چاہتے ہیں ۔قندیلِ شعر و سُخن انٹرنیشنل کے اس دس سالہ یادگاری نمبر کی بہ احسن تکمیل پر مُکرّر مبارک قبول فرمائیں ۔ اللھُمَّ زدفزد- آمین

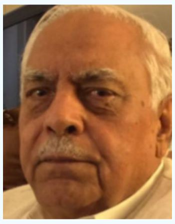

خاکسار احقر العباد، عبدالشکُور

کلیولینڈ اوہائیو ۳ دسمبر ۲۰۲۲

ڈاکٹر فرزانہ فرحتؔ

نیا سال مبارک 2023

کچھ جیت چلے کچھ ہار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
سوچو تو ادھورا خواب ہوا
دیکھو تو ایک سراب ہوا
اک دکھ سکھ کا مضراب ہوا
جو عمر کے سال گزار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
نہ کھلا وہ بھید نہ کھلنا ہے
یہاں ننگے پاؤں چلنا ہے
جانے کس آگ میں جلنا ہے

جب بچھڑ پرانے یار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
جب زیست کی برف پگھلتی ہے
جب ہاتھ سے ڈور پھسلتی ہے
یہ ہستی کہاں سنبھلتی ہے
سب دوست سبھی غمخوار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
یہ خواب نہ ٹوٹے اب دیکھو
یہ ساتھ نہ چھوٹے اب دیکھو
یہ پیار نہ رو ٹھے اب دیکھو
کچھ کابل کچھ قندھار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
دنیا کا کھیل نرالا ہے

یہ رشتوں کی اک مالا ہے
ہر منظر دیکھا بھالا ہے
رنگوں کی ساتھ قطار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
یہ دل پر کیسا گھاؤ ہے
اک اور بھنور میں ناؤ ہے
یہ کیسا چل چلاؤ ہے
ہیں کون یہاں جو ہار چلے
ہم نئے برس کے پار چلے
تھے کسی نے دکھ کے خار چنے
سکھ کے تھے کسی نے خواب بنے
ہر رنگ کے ہم نے گیت سنے

غزلیات

نعت

ساغر صدیقی

نہ ہوتا درِ محمد ﷺ کا تو دیوانے کہاں جاتے
خدا سے اپنے دل کی بات منوانے کہاں جاتے
جنہیں عشقِ محمدؐ نے کیا ادراک سے بالا
حقیقت ان تمناؤں کی سمجھانے کہاں جاتے
خدا کا شکر ہے کہ حجرِ اسود تک رسائی ہے
جنہیں کعبے سے نسبت ہے وہ بتخانے کہاں جاتے
اگر آتی نہ خوشبوئے مدینہ میری آنکھوں سے
جو مرتے ہیں نہ جلتے ہیں وہ پروانے کہاں جاتے
سمٹ آئے مری آنکھوں میں حسنِ زندگی بن کر
شراب درد سے مخمور نذرانے کہاں جاتے
چلو اچھا ہوا ہے نعت ساغرؔ کام آئی ہے
غلامانِ نبیؐ محشر میں پہچانے کہاں جاتے

حمد پاک

ذکی طارق بارہ بنکوی

لفظوں میں کیسے پروؤں تری عظمت اللہ
کس طرح سے کروں آخر تری مدحت اللہ
اپنے محبوب کی امت میں کیا ہے پیدا
مجھ پہ یہ ہے تری سب سے بڑی رحمت اللہ
ہونی کر دینا زمانے کی ہر انہونی کو
صرف اور صرف یہ ہے آپ میں قدرت اللہ
زندگی اور اسے جینے کے تمامی اسباب
تیری ہی تو ہیں عطا اور عنایت اللہ
کیا کرشمہ ہے ترا ایک مرض نے میرے
بخش دی ہے مرے دل کو تری الفت اللہ
باپ ماں بھائی بہن سے بھی نہیں ہو سکتی
اپنے بندوں سے جو تجھ کو ہے محبت اللہ
پھر رہا ہوتا ہر اک در پہ جھکاتا سر کو
جو نہ ملتا ترا در بہرِ عبادت اللہ
لے کے میں نام ترا کرتا ہوں جو کام شروع
اس میں کس درجہ سمو جاتی ہے برکت اللہ

نعتِ محمد ﷺ

نہ ہوں کیوں سب سے یکتا میرے آقا
کہ ہیں رحمت سراپا میرے آقا
رسولوں اور نبیوں میں ہیں سب سے
معظم اور اعلیٰ میرے آقا
بہت مشکل ہے مانا روزِ محشر
کریں گے پار بیڑا میرے آقا
یہ جانا میں نے لولاک لما سے
ترا ہونا ہیں دنیا میرے آقا
ذرا دیکھو کیا ان کا ہوسکا میں
مجھے کہتے تھے اپنا میرے آقا
مرے بیمار ایماں کو شفا دی
غضب کے ہیں مسیحا میرے آقا
مری ہی فکر میں رہتے تھے ہر دم
تھے کرتے پیار کتنا میرے آقا
معافی دیدی جانی دُشمنوں کو
تھے کتنے رحم فرما میرے آقا
برا ہوتا مرا انجامِ محشر
نہ بنتے جو سہارا میرے آقا
میں ہوتا آج کیا، سوچو جو ہوتے
مری جانِ تمنا میرے آقا
یہ شانِ رحمۃ اللعالمین
ہیں کل خلقت کے ملجا میرے آقا

نعت رسول ﷺ

محمد زاہد رضا بنارسی

کرنے یہ شہرِ مدینہ کا سفر جاتی ہے
آپ کے روضے پہ جیسے ہی نظر جاتی ہے
یہ کرامت تو شہا آپ کے سر جاتی ہے
جا چکی ریل پلٹتی ہے ٹھہر جاتی ہے
کتنی ہی بکھری ہو الجھی ہو یا بگڑی ہو
زندگی جا کے مدینے میں سنور جاتی ہے
وہ ہوا ہی تو ہمیں رکھتی ہے زندہ اے شہا
چھو کے در تیرا جو دنیا میں بکھر جاتی ہے
سوچنے لگتا ہوں جب خلد کی شوکت کو میں
ان کے روضے پہ نظر جا کے ٹھہر جاتی ہے
جب مجاہد سے مرے پڑتا ہے پالا اس کا
موت جی پڑتی ہے اور زندگی مر جاتی ہے
مرحبا بوذر وسلماں کی کہانی سن کر
آتش عشق نبی دل میں بپھر جاتی ہے
کیوں پساروں میں اے "زاہد" بھلا در در دامن
جب مری جھولی اس اک در پہ ہی بھر جاتی ہے

جمشید مسرور ناروے

داغ شکست و نکبت تقدیر دیکھنا
تم بھی نہ میرے پاؤں کی زنجیر دیکنا
تم بھی گھسیٹنا مجھے مٹی پہ مُنہ کے بل
تم بھی نہ میری عزت و توقیر دیکھنا
دل پر، جولوحِ عشق تھا، اے یارکم نظر
کچھ کر دیا ہے وقت نے تحریر دیکھنا
دن راستوں کے ساتھ بکھرنا گلی گلی
شب جاگ جاگ کر تری تصویر دیکھنا
کرتا ہوں اک جواب نظر کا سوال میں
بڑھ کر نہ زندگی سے ہو تاخیر دیکھنا
جمشیدنوجواں تھا عجب ہم کو یاد ہے
جس وقت دیکھنا اُسے دلگیر دیکھنا

نعت ـ فوزیہ ظہیر

نعتِ نبی کا پلا دے ساقی مجھے جام ایسا
گل بھی کریں ناز جس پر پاؤں میں گلفام ایسا
لیتا رہے خم پہ خم پھر زوقِ تمنا مرا بھی
باندھوں طوافِ حرم پر میں بھی تو احرام ایسا
پیمانہ لبریز کردے میرے بھی عشق و وفا کا
مدہوش کر دے مجھے جو میں پھر پیؤں جام ایسا
تسنیم کا وہ بہشتی چشمہ بہادے ادھر بھی
یا رب عطا کر مجھے بھی انمول انعام ایسا
مدغم رہے اسطرح سے مجھ میں ترا پیار ساقی
آئے کبھی ہوش ناں پھر تو بخش ادغام ایسا
کافی وشافی دواؤں جیسا سبھی کلفتوں میں
تشنہ لبوں کو عطا کر کوزہ لبِ بام ایسا
متقی ہدایت پہ قائم جسکی بدولت ہوئے ہیں
لائے محمد قسم سے قرآں میں پیغام ایسا

منظور احمد بزمی، ملائشیا

عرض بھی کیا تھا دل تک ہی رکھنا بات
ظالم تیری نگاہ نے رسوا کیا ہمیں
چاہت تو اک تعلق ہے روح کا مگر
بس خواہش وصال نے منہا کیا ہمیں
یادوں کیاک ہجوم میں کھوئے رہے صدا
تیرے قرب کے خیال نے تنہا کیا ہمیں
مشتاق تیری دید کا ہر شخص تھا وہاں
بدنام ٹوٹے ضبط نے بیجا کیا ہمیں
کہنے کو حادثہ تھا ملکر تیرا بچھڑنا
ناسور عمر بھر کا ہدیہ کیا ہمیں
تیرے مرض کا علاج رکھتے فقط ہم
جب حد سے بڑھ گیا تو مسیحا کیا ہمیں

عاصی صحرائی لندن

بغیر اس کے تو آرام تک نہیں آتا
وہ شخص جس کا مجھے نام تک نہیں آتا
وہ لوٹتا نہیں جب چھوڑتا ہے پراۓ عشق
وہ لوٹ آتا ہے انجام تک نہیں آتا
گناہ گار ہے عشاق کے سفینوں کا
پر اس کے سر پہ کچھ الزام تک نہیں آتا
میں کیسے در پہ ترے نوکری کو آؤں رفیق
مجھے تو عشق کا کچھ کام تک نہیں آتا
کہیں پہ جائے تو پھر لوٹتا نہیں کیوں کر
کہ شام آتی ہے تُو شام تک نہیں آتا
میں منتظر تھا مگر یہ بھی تھا مجھے معلوم
وہ خاص ہوتا ہے جب عام تک نہیں آتا
میں انتظار میں ہوں اپنے گھر کے در عاصیؔ
مرا عزیز مرے بام تک نہیں آتا

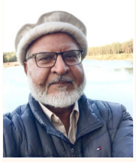

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

کیوں نہ ہو ناز خدو خال پہ اپنے اس کو
اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے خدا نے اس کو
کاش میری بھی کبھی یاد اُسے آجائے
نیند سے سپنے جگائیں جو سہانے اس کو
اُس پہ مر مٹنے کو تیّار ہوا تھا کوئی
آئے گا کون بھلا یاد دلانے اس کو
روٹھ جانے کا بہانہ تو وہ کر کے دیکھے
ہم بڑی چاہ سے جائیں گے منانے اس کو
اس کی آنکھوں میں اداسی نہیں دیکھی جاتی
بھیج دیتا ہے خدا، کوئی ہنسانے اس کو
پھر سے اک بار کہوں گا کہ وہ آئے ملنے
ٹال دینے کے تو آتے ہیں بہانے اس کو
چاہتے ہیں کہ بلائیں اُسے دل میں اپنے
اور آئے نہ کوئی پہلے، بلانے اُس کو
وہ نہیں بھولا کبھی اپنی دعاؤں میں ہمیں
کیوں نہ ہم بھیجیں دُعاؤں کے خزانے اس کو

(ارشد شریف کے نام جو مجھ میں کہیں زندہ ہے)

آفتاب شاہ

میں سچ کی لاش سے لپٹا ہوا فسانہ ہوں
میں بے خودی کے نشیمن کا اک ترانہ ہوں
میں جاچکا ہوں مگر یاد تجھ کو اتنا رہے

میں زندگی کے جہاں میں کھڑا زمانہ ہوں
مری لحد کے دریچے سے ہوگی صبح نئی
میں انقلاب کی آمد کا اک بہانہ ہوں
میں دوستوں کی کہانی میں مر نہیں سکتا
میں ان کے پیار میں بکھرا ہوا خزانہ ہوں
وہ کون تھا جو مری زندگی سے خائف تھا
اسی کے بغض کی گولی کا میں نشانہ ہوں
میں کاسہ لیسوں کی نگری سے دُور دُور رہا
میں زندگی کے سفر میں سدا یگانہ ہوں
میں سچ کی آنچ میں پگھلا ہوا ہوں نغمہ کوئی
میں حق سے جانچ میں ڈوبا ہوا دہانہ ہوں

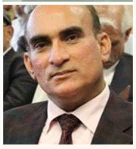

شفیق مراد۔ جرمنی

جب مجھے تیرا حرف دعا مل گیا
میرے حرفوں کو حرف آشنا مل گیا
میں بھی گلپوش رستوں پہ ہوں گامزن
ہمسفر مل گیا ہم نوا مل گیا
مجھ کو پا کے وہ پہلو میں کہنے لگے
کیا ریاضت کا مجھ کو صلہ مل گیا
دل پہ چھایا ہوا تھا سکوتِ بلا
دل لگی دل لگی میں خدا مل گیا
یہ بھی عشق بتاں کا ہوا معجزہ
ایک عاصی کو آخر خدا مل گیا
خواہش وصل کا خونِ ناحق ہوا
وحشت دل کو رنگ حنا مل گیا
تشنہ آنکھوں میں سپنے ابھرنے لگے
یوں سرابوں کا ایک سلسلہ مل گیا
دربدر ہو گیا اب مہینوال بھی
جب سے سوہنی کو پکا گھڑا مل گیا

ڈاکٹر عبدالسلام کے نام

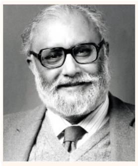

ا۔ع۔ملک

ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
دنیا بھر نے اسے سراہا، اپنوں نے دھتکارا
بے مہری کا نیزہ، اس کے دل میں تاک کے مارا
کافر کافر کہہ کر اس کو، قوم ہوئی ہلکان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا یہ پیارا پاکستان
آنکھیں بھر آتی تھیں اس کی، نام وطن کا سن کر
اہل وطن نفرت کی شالیں، دیتیتھے بن بن کر
ساری عمر چکایا اسنے، چاہت کا تاوان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
گھڑی گھڑی دل ٹوٹا اس کا، گھڑی گھڑی وہ رویا
ہائے اک نایاب خزانہ، پاکستان نے کھویا
قدر نہ ہیرے کی کرپائے، یہ غافل نادان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
نرم خوئی پہچان تھی اس کی، لہجہ بے حد گہرا
چاندی جیسی باتیں اس کی، سوچ کا رنگ سنہرا
بہت شفیق اور مخلص تھا، وہ سادہ دل انسان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
نوبیل پرائز کو پہنچا، جب سائنس کا دلدادہ
اچکن، پگڑی، کھُسے میں لگتا تھا اک شہزادہ
نام وطن کا اونچا ہو، یہ دل میں تھا ارماں
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کیدل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
بے وطنی تو جھیلی، اپنا پاسپورٹ نہ چھوڑا
گرچہ اس کو اپنانے کو، ہر اک ملک تھا دوڑا
اس نے لیکن کبھی نہ توڑا، اُلفت کا پیمان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
دیس کے ماتھے کا وہ جھومر، وہ ہیروں کا گہنا
جرم بنا ہے پاکستان میں، اس کو مسلم کہنا
جس کی تھیوری کا، منبع و ماخذ تھا قرآن
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
خاکِ وطن سے عشق تھا اس کو، خاک نے آخر کھینچا
ربوہ کی مٹی نے پر، آغوش میں اپنی بھینچا
گرچہ اک تابوت میں لوٹا وہ جسد بے جان
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان
اہل وطن نے لیکن، بعد از موت بھی نہ اپنایا
لفظ ''مسلماں'' اس کے کتبے تک سے آن مٹایا
کل بھی تھا حیران مورخ، آج بھی ہے حیران
ہم وطنوں کی نفرت سے، وہ گھائل سائنس دان
جس کے دل میں بستا تھا، یہ پیارا پاکستان

عاصی صحرائی لندن

تم ایسے انساں کو ووٹ دینا
وطن کو جو خراب کر دے
ہر سوجام و شراب کردے
خوش چہرے اُداس کردے
ہر اک کو بے لباس کر دے

جو اندھیرا بے حساب کر دے
کچرے سے کراچی وبال کر دے
پانی کا ہر طرف کال کر دے
قومی صحت کا برا حال کر دے
تعلیم میں نقل بحال کر دے
جعلی سند قومی معیار کر دے
جو کلمہ گو کا قتال کر دے
مساجد کو ہر سو پامال کر دے
اذانوں پہ جو لگائے پابندی
تم ایسے انساں کو ووٹ دینا

مبشر احمد راجیکی

اے چشمہ حیواں آ بھی جا
اے روضہ رضواں آ بھی جا
اے رحمت باری تھام بھی لے
اے نصرت یزداں آ بھی جا
اے باد بہاری تیز بھی چل
اے بوئے گلستاں آ بھی جا
اے رونقِ یثرب دیر نہ کر
اے نازش فاراں آ بھی جا
اے داورِ محشر بھیج بھی دے
اے ہادی دوراں آ بھی جا
یہ اشک آہ ہیں تیرے لئے
ہم دیدہ براہ ہیں تیرے لئے

طاہر عدیم جرمنی

دھنک نظر میں بسا کر لباس لکھوں گا
میں چاندنی کو ترا انعکاس لکھوں گا
کنارِ عشق سجاؤں گا آبلوں کے گلاب
لبِ فراتِ محبت پہ پیاس لکھوں گا
میں کائنات کو تشریح میں کروں گا رقم
چمکتی شب کو ترا اقتباس لکھوں گا
بہ لوحِ حُسن تراشوں گا خال و خد تیرے
ترے بدن کو بہ ہوش و حواس لکھوں گا
محبتوں کا بھرم اس طرح نبھاؤں گا
کہ ہجر میں بھی تجھے اپنے پاس لکھوں گا
وہ چاند جب بھی مرے دل کے صحن میں اُترا
بنامِ حسن لہو سے سپاس لکھوں گا
بچھڑتے وقت مرے واقف مزاج! بتا
جہاں میں کس کو محبت شناس لکھوں گا
عطائے زخمِ رقیباں کی لاج رکھنے کو
میں خوش ہوا بھی تو خود کو اُداس لکھوں گا
خیالِ یاس کی رگ سے نچوڑ لوں گا لہو
تمازتِ رُخِ صحرا پہ آس لکھوں گا
عطا کروں گا کسے فصلِ فکر کا ریشم؟
میں کس کے نام ہنر کی کپاس لکھوں گا
نظر لگے نہ کسی کی اسی لئے طاہرؔ
یقینِ وصل ہمیشہ قیاس لکھوں گا

گرمالا

کلام مصلح الدین راجیکی صاحب

مایا کے ہیں تینوں نام تُلسو تُلسا تُلسی رام
لوبھی جگ کی ریت نرالی کھوٹا سودا کھوٹے دام
گور کنارے جھوٹی آشا بوڑھی گھوڑی لال لگام
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ہاتھ نہ پہنچے کھٹے آم
جس کا کام اسی کو ساجھے راج مکٹ کو جانے رام
اپنا بوجھا اپنے کاندھے پاپ نگر میں کیا بسرام
رن کی جیت نہ جیت کہلائے من جو مارے سو بلرام
نیند نہ پوچھے کھاٹ کھٹولا پیت نہ دیکھے رادھا شام
گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے من کے ہاتھوں ہم بدنام
جس تن لاگے سوتن جانے تم کیا جانو یہ کہرام
لیکھ لکھت نہ میٹے کوئی بن بن چھانیں لیتا رام
کیسے کیسے دُکھڑے دیکھے دنیا تجھ کو سات سلام
مصلح کو اب یاد کریں کیا، پاپی دُکھیا کس کے کام

صادق باجوہ امریکہ

کروں نذر ایسی نظر کو کیا جو نظر نظر میں سما گئی
تری یاد کتنی عجیب ہے جو دل و دماغ پہ چھا گئی
تری آرزو، تری جستجو ہوئی کُوبکو پھری کوبکو
غم ہجر کے بڑھے سلسلے مرے نیر کتنے بہا گئی
وہ حیات کا کوئی باب تھا، کوئی خواب تھا کہ سراب تھا
بڑی چاہتوں کا حساب تھا، تری یاد وہ بھی مٹا گئی
کوئی بے پناہ سی چاہ تھی، رہ ظلم و جور تباہ تھی
کسی بے نوا کی وہ آہ تھی، سر شام حشر جگا گئی
جو غموں کو دل سے لگا لیا تو جہاں کو اپنا بنا لیا
جو طلب تھی اس سے سوا دیا یہ حیات مژدہ سنا گئی
شب غم طویل سہی مگر، ہیں نویدِ صبح کے منتظر
یہی جھلملاتی ہوئی سی لو کوئی مشعلیں ہے جلا گئی
جو خلوص دل کی ملے رمق، سمجھ اسکو صادق عطائے حق
یہی راہِ صدق و وفا تو ہے مری زندگی جو بنا گئی

آفتاب شاہ

نظر انداز کرتے ہو مجھے دن رات کرتے ہو
بتاؤ نا مجھے ہر روز کس سے بات کرتے ہو
مجھے کہتے ہو مجھ کو کام ہے مصروف ہوتا ہوں
مرے حصے کی چاہت اب کسے سوغات کرتے ہو

کسے سجدوں میں تم نے اب امامت سونپ رکھی ہے
کسے دیوی بنا کر روز منا جات کرتے ہو
کسے آنکھوں میں رکھا ہے جسے تکتے ہی رہتے ہو
مجھے تکتے ہو نا ہی میری جانب بات کرتے ہو
کسے تم جان کہتے ہو کسے تم یار کہتے ہو
محبت کے ابر سے اب کہاں برسات کرتے ہو
کہاں اب قسمیں کھاتے ہو کسے اب چھپ کے ملتے ہو
کسے دل دے کے چاہت میں تم اپنی ذات کرتے ہو
بدل ڈالا ہے رستہ کیا یا اب بھی پہلے جیسے ہو
کسے بدنام کرتے ہو کسے تم مات کرتے ہو

توصیف رضا بہار

خود کہا کرتے تھے جو جان سے پیارے ہم کو
جانے وہ چھوڑ گئے کس کے سہارے ہم کو
بجھ گیا جب سے مقدر کے فلک کا وہ چاند
اچھے لگتے نہیں یہ چاند ستارے ہم کو
ہر گھڑی کہتے ہیں مجھ سے مرے بکھرے ہوئے بال
پھر اسی ہاتھ سے بولو کہ سنوارے ہم کو
اس نے جو کچھ بھی کیا، کوئی شکایت نہیں، پر
اس سے کہیو کہ دوبارہ نہ پکارے ہم کو
ان کے بن ہم کسی قابل نہ رہے اب توصیفؔ
جس کا دل چاہتا ہو آکے وہ مارے ہم کو

اسماء صباؔ خواج بہار

یا خدا بندگی کا صلہ چاہیے
اب مجھے عشق کی انتہا چاہیے
عمر بھر کا سکوں مل گیا ہے تمہیں
میں ہوں حاصل تمہیں، اور کیا چاہیے
تیری ہی گود میں نیند آتی ہیماں
عمر بھر مجھ کو سایہ ترا چاہیے
ہم کو لعل و گہر کی نہیں خواہشیں
آپ کے در پہ ہم کو قضا چاہیے
بس زباں میٹھی ہونے سے کیا فائدہ
دِل کا بھی صاف ہونا ذرا چاہیے
اہلِ دنیا سے مجھ کو نہیں کچھ غرض
اے خدا صرف تیری رضا چاہیے
مِل گیا دامنِ سید الانبیا
اے صبا! اور بتا تجھ کو کیا چاہیے

خیالِ غالب

حنیف تمنّا جرمنی

در فراق آشوب سامانی کی پہنائی نہ پوچھ
کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
دل شُدہ ہے دل زدہ بَرنقضِ عہدِ دل شکار
کشتِ ہجراں میں پہ فصلِ غم کی بیجائی نہ پوچھ
پوچھ سبزہ پوشیِ پیراہنِ گلشن نہ ہائے
اُس پہ رنگ و بُوئے گل کی حلّہ پیرائی نہ پوچھ
شام ہی سے دل حِصارِ خدشۂِ محشر میں تھا
اَب نگاہِ منتظر کی راہ پیمائی نہ پوچھ
نَو عروسانِ چمن صورت ہے قلبِ نَو نیاز
بر سرِ باغِ تمنّا غنچہ آرائی نہ پوچھ
ہوں تمنّا مبتلائے غالبؔ شاہِ سخن
جی میں جانے کیا ہے مجھ کم فہم کے آئی نہ پوچھ

عبدالجلیل عبادؔ جرمنی

پہلا وہ پیار دل کے سدا رابطے میں ہے
سب کی ہی میری جیسی ہے یہ داستانِ عشق
ہر پیار کرنے والا مرے قافلے میں ہے
ہجرت نصیب لوگ کچھ بچھڑے بکھر گئے
لیکن خیالِ یار تو ہر آبلے میں ہے
آنکھیں تو ساتھ لائے پر دل ابھی تلک
اُس شہرِ پُرفسوں کے ہی دائرے میں ہے
شہرِ نگار بچھڑا تو جانے کدھر گیا
لیکن نگاہ بیٹھی ابھی راستے میں ہے
خوشبوئے یار اب بھی رکھے تازہ تن بدن
رچ بس گیا وہ خون میں اور ذائقے میں ہے
آئے گا پھر وہ لوٹ کر اک دن ضرور یاں
میرا تو سارا شہر ہی اس آسرے میں ہے

یشب تمنّا

ہم ابھی رات کے اندھیرے سے صبح کی سمت بس چلے ہی تھے
یک بیک جانے کیا ہوا کہ ہمیں اہل ظلمت نے پھر سے گھیر لیا
ہم رہِ نور کے مسافر تھے ہمیں تاریکیوں نے پھیر دیا
جو مسافت بھی ہم نبھے کی تھی رائگانی کی نذر ہوگئی ہے
اور لگتا ہے روشنی کی کرن بس اسی کشمکش میں کھوگئی ہے
ہم مگر حوصلہ نہ ہاریں گے پھر سے زادِ سفر میں رکھا ہے
حوصلہ، عزم، حریت کا خواب اور نکل آئے ہیں سفر سے
ہم نے وعدہ کیا ہے نسلوں سے شہرِ بےنور کو اُجالنا ہے
ہم نے دیوارِ شب میں در کر کے صبح کو قید سے نکالنا ہے!!

فوزیہ ظہیر پاکستان

محبت مجھے اس خدا سے ہوئی ہے
یہ رحمت اس کی عطا سے ہوئی ہے
کہ جگنے لگی ہیں دبی حسرتیں بھی

مجھے آشنائی وفا سے ہوئی ہے
نہ پوچھو مرے دل کی دھڑکن کا عالم
یہ بے تاب اس کی ادا سے ہوئی ہے
کبھی طور پر روشنی جو پڑی تھی
نمودار پھر وہ صفا سے ہوئی ہے
نہیں کوئی ثانی جہاں میں تو اسکا
کہ نسبت جسے کربلا سے ہوئی ہے
ملی خاک میں تب اسے میں نے پایا
مری ابتدا تو فنا سے ہوئی ہے
وہی ذات ہے سب عطاؤں کا مظہر
مجھے معرفت یہ دعا سے ہوئی ہے
کہ جس نے بھی مانگا وہ خالی نہ لوٹا
کرامت یہی تو صدا سے ہوئی ہے
کروں ناز کیوں ناں مقدر پہ اپنے
مری آبیاری خدا سے ہوئی ہے

مظفر احمد ظفر بھارت

سکوت ناز سخن بھی سخن کے ساتھ رہے
غضب ہے شعلہ اگر شعلہ زن کے ساتھ رہے
جبیں سے ہم نہ مٹا پائے داغ کفر انا
کبھی فقیہ کبھی اہرمن کے ساتھ رہے
نگاہ مطلع نو پر جما غم فردا!
بلا سے تیرگی شب کرن کے ساتھ رہے
نوید عیش کی دستار گر گئی لیکن
لباس غم ہی کے دھاگے بدن کے ساتھ رہے
یہ زہر زیست ہی تریاق ہے تو یوں ہی سہی
یہ مار زلف بھی تارکفن کے ساتھ رہے
ہوائے گردش دوراں نہ یوں اڑا اس کو
یہ مشت پر مری خاک بدن کے ساتھ رہے
ہمارے نام ہی نکلا یہ فال کا قرعہ
سرائے جاں میں کسی راہزن کے ساتھ رہے
نہ جب تلک لٹا سرمایہ بہار چمن
وطن پرست ہمیشہ وطن کے ساتھ رہے
کمال چاہیئے جس کو سخن سرائی میں
تو لازمی ہے کہ وہ اہل فن کے ساتھ رہے
نگل رہا ہے مظفرؔ کو نجد کا صحرا
وہ آدمی ہے تو پھر مرد وزن کے ساتھ رہے

حنیف تمنا جرمنی

نوائے صبح! ابھی حشر ڈھلنے والا تھا
شبِ فراق کا نقشہ بدلنے والا تھا
ہے معجزہ کسی عشوہ فروش کا ورنہ
یہ دل کا چور کب ایسے نکلنے والا تھا
یہ تُو نے کس گھڑی زُلفیں بکھیر دیں ظالم
کہ جس گھڑی دلِ مُضطر سنبھلنے والا تھا
یہ کس گھڑی لب و لہجہ بدل لیا تُو نے
میں جس گھڑی ترے لہجے میں ڈھلنے والا تھا
دماغ سے کوئی نسبت کہاں محبت کو
یہ کاروبارِ جنوں دل سے چلنے والا تھا
اسے تمناؔ ادا کوئی اب لبھاتی نہیں
مہین اشارے پہ جو دل مچلنے والا تھا

کلیم اللہ کلیم بہار

اس طرح پیش وہ آئے کہ بھرم ٹوٹ گیا
میں نے لکھنے کو اُٹھایا تو قلم ٹوٹ گیا
جس نے آزر کو تراشا تھا وہی باقی ہے
جس کو آزر نے تراشا وہ صنم ٹوٹ گیا
جانتا تھا کہ مری فتح یقینی ہے مگر
فیصلہ آیا تو اس وقت کہ دم ٹوٹ گیا
اب تو ایں قدر سے آں قدر سبھی ہیں نادم
بلبلے جتنے تھے ہر اک کا حجم ٹوٹ گیا
جو تری سمت سے آتا تھا گھٹائیں لے کر
کل اسی ابر پہ سورج کا ستم ٹوٹ گیا
وجہ کیا ہے کہ پریشاں ہیں ترے سجدہ گزار
میکدہ بنتا رہا اور حرم ٹوٹ گیا
اس برس میں ہی شکستہ نہ ہوا صرف کلیمؔ
اب کے برسات میں مٹی کا صنم ٹوٹ گیا

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

وطن میں سب سے زیادہ بلا ناغہ سُنا جانے والا ایک جُملہ!

پہلے ایک سخنور نے یہ موضوع خوب اُٹھایا ہے
ایک خبر اخبار میں دیکھی مجھ کو بھی یاد آیا ہے
یہ جملہ جو سدا سے گونجے دیس کے سب بازاروں میں
جاری ہے مفہوم اسی کا سب افلاس کے ماروں میں
یہی ہے قائم ہر شعبے میں یہ ہی کام چلاتا ہے
بے چاروں کے منہّ کا لُقمہ دُوجے منہّ لے جاتا ہے
بہت سے لوگ انا والے ہیں خودداری بھی سیکھی ہے
اُن کے آگے بھی تو ہم نے یہی حقیقت دیکھی ہے
اوپر کی ہے خوب کمائی بندہ جو سرکاری ہے
لگتا ہے کہ ہر افسر کے اندر ایک بھکاری ہے
فضلِ ربی سے نہ اُن کے باغ کبھی بھی سُوکھے ہیں
پھر بھی پیسوں کو وہ ترسیں بچے جیسے بھوکے ہیں
یہی الیکشن میں جملہ الفاظ بدلتا رہتا ہے
سارے ''کینڈیڈیٹوں'' کا یہ مطلب پُورا کرتا ہے
یہی حکومت والے جملہ اپنے طور سے کہتے ہیں
اِس کے ہی مفہوم سے ہم کو قرضے ملتے رہتے ہیں
گو یہ جُملہ عام ہے لیکن، یہ توہین ہماری ہے !
جس کا نہیں علاج وطن میں ایسی یہ بیماری ہے !
یہ جملہ اب سنو منورؔ کانوں کو شرما دے گا
''دے جا سخیا راہِ خدا تیرا اللہ ہی بُوٹا لاوے گا!''

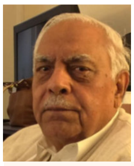

عبدالشکور، کلیولینڈ

نہ جشنِ بادہ کی خواہش، نہ تابِ عِشوہ گری
ہمیں تو بس ہے عطائے عتابِ نا قدری

ہے ریزہ ریزہ یقیں اور دُھواں دُھواں ہے گُماں
یُوں چھا رہا کے دلوں پر سحابِ بے بصری

میں کون ہُوں میں کہاں ہُوں، مُجھے نہیں معلوم
کہ ایسے روند رہا ہے عذابِ در بدری

ہے دِل فِگار، جگر پارہ پارہ، خستہ جان
طلسم کوئی دکھا اے حبابِ بے ہُنری

ہے لحہ عبارت ورق ورق پہ مرے
تُجھے عزیز ہے لیکن نصابِ بے خبری

خُوشا کہ چاروں طرف ہے ہجُومِ چارہ گراں
بتائے ان کو کوئی جو آدابِ چارہ گری

زمین بولے گی اور مہر و مہ بھی ہوں گے گواہ
جو پُوچھا جائے گا تُم سے حسابِ کم نظری

نعت رسول ﷺ

محمد زاہد رضا بنارسی

کرنے یہ شہرِ مدینہ کا سفر جاتی ہے
آپ کے روضے پہ جیسے ہی نظر جاتی ہے

یہ کرامت تو شہا آپ کے سر جاتی ہے
جا چکی ریل پلٹتی ہے ٹھہر جاتی ہے

کتنی ہی بکھری ہو الجھی ہو یا بگڑی ہو
زندگی جا کے مدینے میں سنور جاتی ہے

وہ ہوا ہی تو ہمیں رکھتی ہے زندہ اے شہا
چھو کے در تیرا جو دنیا میں بکھر جاتی ہے

سوچنے لگتا ہوں جب خلد کی شوکت کو میں
ان کے روضے پہ نظر جاکے ٹھہر جاتی ہے

جب مجاہد سے مرے پڑتا ہے پالا اس کا
موت جی پڑتی ہے اور زندگی مر جاتی ہے

مرحبا بوذر وسلماں کی کہانی سن کر
آتش عشق نبی دل میں بپھر جاتی ہے

کیوں پساروں میں اے "زاہد" بھلا در در دامن
جب مری جھولی اس اک در پہ ہی بھر جاتی ہے

ذکی طارق بارہ بنکوی

وہ حب جس کی ذکی تمثیل بحرِ بے کراں تک ہے
مآل اس کا بھی صد افسوس بس اک داستاں تک ہے

مکاں سے لامکاں تک ہے زمیں سے آسماں تک ہے
ہماری ذات کی وسعت خدا جانے کہاں تک ہے

مری خانہ خرابی پر نہ جا قسمت ہے یہ میری
مری تخئیل کی تعمیر بھائی لامکاں تک ہے

تو پھر کیونکر نہ خوشبو دیں وجود وفن کی میراثیں
علاقہ ہی مرا جبکہ چمن سے گلستاں تک ہے

ملاقاتوں میں تیری والہانہ پن نہیں ملتا
تو کیا تیری محبت محض اے ہمدم زباں تک ہے

گریزاں ہے وہ میرے نام کی پرچھائیوں سے بھی
نہیں معلوم تھا مجھ سے اسے نفرت یہاں تک ہے

نشانہ جس کا بس میراتنِ نازک ہے اے یارو
رسائی ایسے ہر اک تیر کی اس کی کماں تک ہے

مجھے مت دیکھ تو پرواز کی عظمت پہ رکھ نظریں
مری گردِ سفر تاروں کی دلکش کہکشاں تک ہے

حمد۔ ڈاکٹر مہدی علی قمر

خورشید اور قمر میں، تیری ہی روشنی ہے
تاروں کی انجمن بھی، ترے نور سے سجی ہے

ہو نورِ ماہِ کامل، یا مہرِ ضو فشاں
تیری ضیا کے آگے، ہر نور ملگجی ہے

یہ حسیں شفق کی لالی، یہ صبحدم کی شبنم
تیرے عطر سے معطر، یہ گلوں کی تازگی ہے

تیرے حسن سے مُعنون، یہ شبابِ فصلِ گل ہے
کہ صبا کی نکہتوں میں، تیری شگفتگی ہے

ہیں نسیم کے لبوں پر، تیری حمد کے ترانے
اور بلبلوں کی لے میں، تیری ہی نغمگی ہے

ذرے سے کہکشاں، سب تیرا آئینہِ قدرت
ہر دل کی دھڑکنوں میں تجھ سے ہی زندگی ہے

مانا قریب تر ہے، رگِ جان سے تو پیارے
تیری دید کے لئے پر، آنکھوں میں تشنگی ہے

تیری عظمتوں پہ قرباں، میرے حقیر سجدے
دل میں تیری محبت کی جوت سی جگی ہے

مراسر جو کٹ بھی جائے، تیرے در سے نہ اُٹھے گا
تیرا کام ہے خدائی، میرا کام بندگی ہے

تو خالقِ جہاں ہے، مشتِ غبار ہوں میں
تجھ سے وصال چاہوں کیسی یہ سادگی ہے

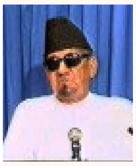

محمد علی مضطر عارفی

نذرِ غالب۔ بصد ادب اور معذرت

میں خطا کار بھی تھا، لائقِ تعزیر بھی تھا
تو وہ سورج جو زمینوں سے بغلگیر بھی تھا

دور سے برف کے تودے کی طرح یخ بستہ
پاس سے جلتی ہوئی آگ کی تصویر بھی تھا

اے نہ بھولے سے کبھی خواب میں آنے والے!
تو مرا خواب بھی تھا خواب کی تعبیر بھی تھا

تھے گلو گیر نہ تنہا غمِ جاں کے بندھن
گیسوئے یار ترا حلقۂ زنجیر بھی تھا

طائرِ سدرہ نشیں بر سرِ شاخِ الہام
رات کے پچھلے پہر مائلِ تقریر بھی تھا
نیلگوں نتھرے ہوئے گہرے سمندر کی طرح
جتنا شفاف تھا وہ اتنا ہی گھمبیر بھی تھا
عشق میں اس کے ملوث تھے سبھی چھوٹے بڑے
ہر کفِ دست پہ یہ ماجرا تحریر بھی تھا
ایک سو چہرے تھے، ہر چہرے کے لاکھوں منظر
ایک ہی وقت میں وہ رانجھا بھی تھا، ہیر بھی تھا
کرسیاں کتنی ہی خالی تھیں سرِ بزمِ سخن
یوں تو غالبؔ بھی تھا اقبالؔ بھی تھا میرؔ بھی تھا
یوں تو ہونے کو وہ خاموش تھا لیکن مضطر
خوش بھی تھا، تیرے چلے جانے سے دلگیر بھی تھا

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

وطن میں سب سے زیادہ بلا ناغہ سُنا جانے والا ایک جُملہ!

پہلے ایک سخنور نے یہ موضوع خوب اُٹھایا ہے
ایک خبر اخبار میں دیکھی مجھ کو بھی یاد آیا ہے
یہ جملہ جو سدا سے گونجے دیس کے سب بازاروں میں
جاری ہے مفہوم اسی کا سب افلاس کے ماروں میں
یہی ہے قائم ہر شعبے میں یہ ہی کام چلاتا ہے
بے چاروں کے منہ کا لقمہ دُوجے منہ لے جاتا ہے
بہت سے لوگ انا والے ہیں خودداری بھی سیکھی ہے
اُن کے آگے بھی تو ہم نے یہی حقیقت دیکھی ہے
اوپر کی ہے خوب کمائی بندہ جو سرکاری ہے
لگتا ہے کہ ہر افسر کے اندر ایک بھکاری ہے
فضلِ ربی سے نہ اُن کے باغ کبھی بھی سُوکھے ہیں
پھر بھی پیسوں کو وہ ترسیں بچے جیسے بھوکے ہیں
یہی الیکشن میں جملہ الفاظ بدلتا رہتا ہے
سارے ”کینڈیڈیٹوں“ کا یہ مطلب پُورا کرتا ہے
یہی حکومت والے جملہ اپنے طور سے کہتے ہیں
اِس کے ہی مفہوم سے ہم کو قرضے ملتے رہتے ہیں
گو یہ جُملہ عام ہے لیکن، یہ توہین ہماری ہے!
جس کا نہیں علاج وطن میں ایسی یہ بیماری ہے!
یہ جملہ اب سنو منوّر کانوں کو شرما دے گا:
”دے جا سخیا راہِ خدا تیرا اللہ ہی بُوٹا لاوے گا!“

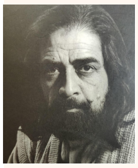

عبیداللہ علیم

جوانی کیا ہوئی اک رات کی کہانی ہوئی
بدن پرانا ہوا رُوح بھی پرانی ہوئی
کوئی عزیز نہیں ماسوائے ذات ہمیں
اگر ہوا ہے تو یوں جیسے زندگانی ہوئی
نہ ہو گی خشک کہ شاید وہ لوٹ آئے پھر
یہ کشتِ گزرے ہوئے ابر کی نشانی ہوئی
تم اپنے رنگ نہاؤ میں اپنی موج اُڑوں
وہ بات بھول بھی جاؤ جو آنی جانی ہوئی
میں اس کو بھول گیا ہوں وہ مجھ کو بھول گیا
تو پھر یہ دل پہ کیوں دستک سی ناگہانی ہوئی
کہاں تک اور بھلا جاں کا ہم زیاں کرتے
بچھڑ گیا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوئی

عظمیٰ محمود

میرے لفظوں کو روشنائی دے
سب کو مفہوم تک رسائی دے
وہ ہنر دے مری سماعت کو
خامشی بھی مجھے سنائی دے
مجھ پہ الہام ہوں مرے اشعار
ایسی شانِ غزل سرائی دے
جس پہ سچائی گامزن ہو مجھے
بس وہی راستہ سجھائی دے
حرفِ تازہ کی بھیک دے مجھ کو
ہاتھ میں کاسۂ گدائی دے
درد اب حد سے بڑھ گیا مالک
اب مجھے خواب سے رہائی دے
ہو کوئی تیری دید کی صورت
کوئی تقریبِ رونمائی دے
مجھ کو عظمیٰؔ وہ معجزہ ہو عطا
بند آنکھوں سے بھی دکھائی دے

علامہ اقبال کی روح سے معذرت کے ساتھ

شمیم زمانوی

آئے کہ تیرے مردِ مومن ہیں کہاں
خواب ہی میں دیکھ لوں شکلِ جمیل
نیل کے ساحل سے لیکر تا بہ خاک کاشغر
ایک بھی مومن نظر آتا نہیں
آئے کہ تیرے کیا ہوئے شاہین وہ
جنکے پنجوں میں تھی ساری کائینات
جنکی ہیبت سے دہلتا تھا چٹانوں کا جگر
قوتِ پرواز پر جنکی فرشتے دنگ تھے
ہاں وہی شاہین تیرے حرّیت کے پاسدار
ہاں وہی شاہین اس رُوئے زمیں کے شہریار
ہاں وہی شاہین اس پوری فضا کے تاجدار
ہاں وہی شاہین جن کے دم سے صحرا لالہ زار
ہاں وہی شاہین فخرِ کوہسار
جنکی فطرت بیقراری میں قرار
ہاں وہی شاہین جنکے شہپروں کے سامنے
پست تھی جبرئیل کی پرواز بھی

آج وہ شاہیں نظر آتے نہیں
نیل کے ساحل سے لیکر تا بہ خاکِ کاشغر
نام کے شاہین ہیں شاہین کی فطرت نہیں
اپنی حرمت کی حفاظت خود کریں عادت نہیں
اپنی فطری بزدلی کی پردہ پوشی کیلئے
مصلحت کا اپنے چہروں پر سبھی غازہ ملے
دے رہے ہیں بس دہائی غیر کی
عزّت و ناموس لٹنے کا انہیں کچھ غم نہیں
کر رہے ہیں معجزے کا انتظار
آئے کہ تیرے کیا یہی شاہیں ہیں وہ
آئے کہ تیرے کیا یہی مومن ہیں وہ
جن کی خاطر تو نے لکھا
بال جبریل و رُموز مشرق و بانگ درا
تیری نیّت پر مرا ایمان ہے
تیرا اک اک لفظ کتنا دلنشیں
اور ہے مجھ کو یقیں تو نے جو اوصاف لکھے
بال جبریل و رموز مشرق و بانگ درا میں بایقیں
وہ مسلماں اور تھے یہ اور ہیں
نیل کے ساحل سے لیکر تا بہ خاک کاشغر
اس سرے سے اُس سرے تک
بھیڑیے کی کھال میں سب بھیڑ ہیں
پھر بھی دل کو ہے یقیں وہ دن بھی آئیگا ضرور
اور تیرے خواب کی تعبیر دیکھے گا جہاں
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کاشغر
ایک ہیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

طاہرہ زرتشت ناز

نشاں چھوڑ آئے

فضاؤں میں اپنی فغاں چھوڑ آئے
ہر اک راہ گزر پہ نشاں چھوڑ آئے
کیا قید لمحوں کو ہم نے قلم سے
وفاوں کی اک داستاں چھوڑ آئے
اخوّت کا پیغام ہر سو دیا ہے
محبت کے ہم بوستاں چھوڑ آئے
سخن کی زمینوں میں احساس ہو کر
مہکتے ہوئے گلستاں چھوڑ آئے
سرِ دارِ حق بات ! ڈٹ کر کہی ہے
ہر اک فکر سود و زیاں چھوڑ آئے
وہ ’دست منوّر‘ رہے اپنے سر پر
کہ جس کے لئے آشیاں چھوڑ آئے
ادب کے افق پر تخیل سے اپنی
ستاروں کی ہم کہکشاں چھوڑ آئے

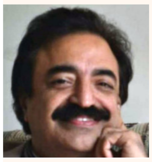

افضال نوید

جانب شہر ابد رغبت کا دروازہ کھلا
جسم سے باہر مگر ہیبت کا دروازہ کھلا
آنکھ سے ہو کر کہاں تک راستے جا پائیں گے
تو ابھی آیا نہ تھا حیرت کا دروازہ کھلا
اب تو اتنی بارشیں یکجا ہوئیں پوچھو نہیں
تھا کوئی انجانے میں مدّت کا دروازہ کھلا
میں نے پائے استواری دور تک جانے دیا
ایک لحہ بھی اگر وحشت کا دروازہ کھلا
بند آنکھوں سے میں سر کے گوشوں میں پھرتا رہا
پھر اچانک بیچ میں وسعت کا دروازہ کھلا
کان دھرنے کے سوا آہٹ پہ یہ کیا بار ہے
کب ہوئی دستک مری قسمت کا دروازہ کھلا
اتنی نا ہموار دنیا میں جگہ پاتا کہاں
پھر کیا یک یوں ہوا ہمت کا دروازہ کھلا
ایسا لگتا ہے کہ ہو جاوں گا داخل دیکھ کر
ہر کسی کی آنکھ میں وحدت کا دروازہ کھلا
وہ تو کھینچے ہاتھ میرے آ گیا پل کا سرا
رہ گیا اندر مرے عجلت کا دروازہ کھلا
جھومنے میں آتا بامِ ثریّا چھو گئی
منہ سے لگتے ہی سبوُ عشرت کا دروازہ کھلا
چار سو دنیا مری جلوت پہ آ کر رہ گئی
رہ گیا تیری طرف خلوت کا دروازہ کھلا
ایک لمحے کے لئے سب آندھیاں ٹکرا گئیں
پچھلے دریا کھلتے ہی شدّت کا دروازہ کھلا
دیکھتے ہی دیکھتے کیا جانے کب اُونگھ آ گئی
اور مجھ پر لحہ بھر ساعت کا دروازہ کھلا
تُو نویدؔ اتنے دنوں کے بعد کیسے مل گیا
سرُ لگایا تُو نے اور سنگت کا دروازہ کھلا

عبدالکریم قدسیؔ

تیرگی آپ کے آتے ہی پلٹ جاتی ہے
روشنی دوڑ کے قدموں سے لپٹ جاتی ہے
آپ جب مطلعِ عشاق پہ ہوتے ہیں طلوع
پھر تو مہتاب کی توقیر بھی گھٹ جاتی ہے
رہ میں فولاد کی دیوار بھی آتی ہے تو وہ
آہنی عزم کی اک ضرب سے کٹ جاتی ہے
دھوڑ ہی دھوڑ میں گم ہوتی ہے جو راہ حیات
آپ آتے ہیں تو وہ پھولوں سے اٹ جاتی ہے
چاند کی وادی میں گر وہ بھی قدم رکھیں تو پھر
چادرِ نور بھی دو حصوں میں بٹ جاتی ہے
چاہے کتنی بھی ہوں گدرائی ہوئی چیلیں قدسیؔ
باز جب آتا ہے تو پھر بازی الٹ جاتی ہے

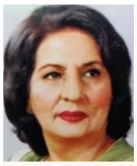

شاہینہ کشور

تخیل کا پنچھی اُڑانا پڑے گا
کہ جب زندگی کو بچانا پڑے گا
تجھے بھولنے کو مری جان پہلے
مجھے خود کو یکسر بھلانا پڑے گا
تیرے دور جانے کا صدمہ بڑا ہے
سو خوابوں میں اب تجھ کو آنا پڑے گا
سکوں ورنہ بالکل نہیں ملنے والا
پریشانیوں کو بھگانا پڑے گا
سفر کر کے باغوں سے تیری اماں میں
مہکتے گلابوں کو آنا پڑے گا
تجھے کھو دیا سو بہاروں کو کھویا
گلے اب خزاں کو لگانا پڑے گا
وہ مانے نہ مانے مگر جانِ کشور
مجھے ہنس کے اُس کو منانا پڑے گا

مبارک صدیقی

اس ذات کو پایا ہے وفاوں میں سمندر
وہ ذات ہے جو اپنی عطاوں میں سمندر
تم اس سے کرامت کی توقع نہیں کرتے؟
وہ جس نے اُ چھالے ہیں فضاوں میں سمندر
اک ِ اس سے کرو ذکر کبھی تشنہ لبی کا
پڑ جایں گے روتے ہوئے پاوں میں سمندر
وہ نور ہے وہ نور کہ جگمگ ہوئے روشن
وہ پیڑ ہے وہ پیڑ کہ چھاوں میں سمندر
کہتے ہیں کہ ٹپکا تھا کسی آنکھ سے آنسو
آیا تھا جو بپھرا ہوا گاوں میں سمندر
کس حال میں اک شخص مجھے چھوڑ گیا ہے
برسات ہے آنکھوں میں تو پاوں میں سمندر
کچھ میں بھی طبیعت کا طلبگارِ وفا تھا
کچھ وہ بھی مزاجاً تھا جفاوں میں سمندر

بہادر شاہ ظفر

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی
اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا، کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی
عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی
اب کی جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی
پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی
نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی
چشم قاتل مری دشمن تھی ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہوگئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی
کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفرسے ہر بار
خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

ڈاکٹر مقصود جعفری

بیت جائیں گے یہ ایّامِ بلا بھی آخر
رنگ لائے گا ہر اِک نقشِ وفا بھی آخر
مہرِ امید کی کرنیں بھی یہاں پُھوٹیں گی
چُھٹ ہی جائے گا کبھی ابرِ جفا بھی آخر
ہاتفِ غیب کو کہتے یہ سُنا ہے میں نے
ٹُوٹ جائے گی یہ زنجیرِ جفا بھی آخر
زندگی جبرِ مسلسل میں کٹے گی کب تک
آہی جائے گا مگر روزِ جزا بھی آخر
مَیں گرانبارِ عصیاں سے لرز جاتا ہوں
وہ جھٹک دے نہ کہیں دستِ دعا بھی آخر
ایک ویرانی سی ویرانی ہے دل میں میرے
مِٹ گیا دل سے وہ نقشِ کفِ پا بھی آخر
غُنچہ و گُل سے ابھی پُھوٹے گا نُورِ خورشید
جعفری دیکھیں گے ہم رقصِ صبا بھی آخر

امن علی امن

صرف یہ میرے اکیلے کی خطا لگتی نہیں
بار ہا سوچا ہے میں نے باخدا لگتی نہیں
دوریوں نے مسکرا کر دن تو پورے کر لئے
پھر بھی نزدیکی یہ ہم کو آشنا لگتی نہیں
راستے میں جو مسافر ہار جائیں حوصلہ
ایسے بنجارو کو کوئی بھی دُعا لگتی نہیں
ہم تِری گلیوں میں پھرتے ہیں فقیروں کی طرح
آبرو بھی اب ہماری ہم نوا لگتی نہیں
اس قدر خوش فہمیوں کا سلسلہ ہے ہر طرف
ذات کوئی معتبر اپنے سوا لگتی نہیں
چین کے لمحوں میں یارو ایک لمحہ موت کا
یہ گھڑی ایسی ہے جو کہ بے وفا لگتی نہیں
چُن لئے ہیں آسماں کے سب ستارے آنکھ نے
جانے کیوں شب بھر یہ اب تیرے سوا لگتی نہیں

سہیل نور

وہ دل کو میرے شب و روز کیا دکھائے گا
اسے بھی یار یقیناً کوئی ستائے گا
بتاؤ تم ہی جو دولت سے پیار ہے اس کو
تو یار پھر وہ محبت کو کیا نبھائے گا
پکڑ کے سر کو وہ زار و قطار روئے گا
وہ پیار کو مرے جس روز جان جائے گا
لگایا دل ہے محبت ہے پیسے سے اس کو
کسی غریب سے وہ دل کیا لگائے گا
جو پی کے آیا وہی معتبر سہیل ہے اب
وہ رنگ آج کی محفل میں پھر جمائے گا

رئیس اعظم حیدری

روند کر سینۂ گرداب کو چلنا سیکھو
موج دریا کی طرح تم بھی اچھلنا سیکھو
نرم پھولوں پہ فقط چلنا نہیں کوئی کمال
خار زاروں پہ بھی ہنس کے ذرا چلنا سیکھو
آبشاروں کی طرح تم کو اگر جینا ہے
چیر کر سنگ کے سینے کو ابلنا سیکھو
سانس سائے میں تمہارے بھی مسافر لیں گے
سر پہ سورج لئے اشجار سا جلنا سیکھو
غم کا طوفان گزر جائے گا مانند ہوا
بن کے چٹان سدا گھر سے نکلنا سیکھو
نرم پھولوں کو مسل دینا کوئی بات نہیں
سنگ خارا کو مرے دوست مسلنا سیکھو
وادئ صحرا میں سب لوگ جیا کرتے ہیں
بحر ظلمات کی آغوش میں پلنا سیکھو
آسمانوں پہ جہاں اور بھی کتنے ہیں رئیس
چاند تاروں سے ذرا آگے نکلنا سیکھو

رفیق مغل

تضحیک نہ کریں کبھی تحقیر نہ کریں
احبابِ عصر کو کبھی دلگیر نہ کریں
رنجش کو نہ بڑھائیں زبان و بیان سے
حق ہو نہ اگر بات، تحریر نہ کریں
نقد و نظر کی بات میں ابہام ہو اگر
ایسے خیالِ خام پہ تقریر نہ کریں
شعرا نے تو بدل دی قوموں کی شندگی
اہل قلم تو خواہشِ شمشیر نہ کریں
جدت طرازی چھوڑ کے آساں لکھیں
معنیٰ کے ساتھ لفظ کو زنجیر نہ کریں
گل رنگ خواہشوں کی تمنا کے ساتھ ساتھ
لمحوں میں توڑ پھوڑ کی تدبیر نہ کریں
خوشبو مثال بن کے بکھر جائیں آس پاس
اپنوں کے نام درد کی جاگیر نہ کریں
آئینہ جانتا ہے سینے کے زخم و داغ
تنویر عکس دیکھ کے تصویر نہ کریں
بغض و عناد رکھ کے بنیاد میں مغلؔ
ایسی دیوار دوستی تعمیر نہ کریں

عبدالحمید حمیدی

بیکار چلا جائے نہ یوں پیار کا موسم
لب کھول دو کہ آج ہے اظہار کا موسم
دل اڑتا چلا جائے ہے وارفتگی میں آج
اقرار کا موسم ہو کہ انکار کا موسم
جب کھیلتی ہے رخ سے تری زلف پریشاں
کیا خوب دھوپ چھاؤں ہے رخسار کا موسم
بکھرا پڑا ہے حسن ازل چاروں ہی جانب
وا دیدہ دل کرلو ہے دیدار کا موسم
اک بار اس کو دیکھ ذرا ترچھی نظر سے
ہو جائے گا اچھا ترے بیمار کا موسم
ذرے کی چھان و پھٹک میں صدیوں کا سفر ہے
وارد کرو جو خود پہ یہ اسرار کا موسم
مالک سے ناطہ جوڑو کہ ہو تنگی و ترشی
رہتا ہے سدا زندہ اقرار کا موسم
سایہ ہو کہ ہم سایہ رہے اپنی نظریں
ہر لحظ و ہر آن ہے ایثار کا موسم
بھرتا رہے پھر کاسہ روح خیر سخن سے
گاتا رہے یوں ہی میرے اشعار کا موسم

نجمہ محبوب نجمہ

سخن کی جستجو تم ہو غزل کا بانکپن تم ہو
مری محفل بھی تم ہی تم ہو میری انجمن تم ہو
نہ میرا دل رہا میرا نہ میری روح میری ہے
مرے مختار و مالک تو بس اب اے جانِ من تم ہو
تمہاری سلطنت ہے یہ تخیل کی حسیں دنیا
میں اک ادنیٰ سی باندی ہوں شہنشاہِ سخن تم ہو
تمہی ہو مہرِ عالم تاب؛ تم ہی ماہِ کامل ہو
تمہی خوشبو ہو اے ہمدم مرے برگ و سمن تم ہو
تمہیں کس کا جنوں ہے اِس سے کچھ مطلب نہیں مجھ کو
مجھے اتنا پتہ ہے بس مرا دیوانہ پن تم ہو
یہی سچ ہے کہ نجمہ کی اندھیری زندگانی میں
حیات افزا سی اک امید کی روشن کرن تم ہو

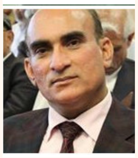

شفیق مراد

دوپہر کی دھوپ میں
پتھروں کے ڈھیر پر
کوہ کن بیٹھا ہوا ہے
دور صحرا کی طرف
زندگی کے ساز پر
مجنوں محوِ رقص ہے
زندگی ہے اس کا نام
رات کے پچھلے پہر
بادلوں کی اوٹ سے
چاند چھپ کر دیکھتا ہے
ایک بوسیدہ گلی میں
آرزو کا اک دیا
جل رہا تھا، بجھ گیا
زندگی کا اختتام

زیب النساء زیبی

کیوں لکھا احوالِ شب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
بے رخی کا ہے سبب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
دیکھ غربت کی نشانی دو گھروں میں اک دیا
روز جلتا ہے غضب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
پھنس گئی ہے زندگی دو نفس کے بیچ میں
ہے رہائی کا سبب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
ہو ملاوٹ خون میں تو عدل کیسے وہ کرے
جس کا ہو یارونسب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
ہائے میرے دشمنوں کو چال سوجھی ہے نئی
کررہے ہیں سر طلب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
جس کو یکجا کر گئے ہیں آخری خطبے میں آپ
بٹ گیا ہے وہ عرب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
دیکھو میرے نام میں ہے بات کوئی منفرد
میرا لکھتے ہیں لقب آدھا اِدھر آدھا اُدھر
قید پنچھی ہے بدن میں جاں کنی کے درمیاں
قلب زیبیؔ جاں بلب آدھا اِدھر آدھا اُدھر

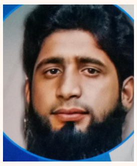

زین وارثی

یاد تیری سنبھال رکھی
جان اپنی محال رکھی
سلگتی آنکھیں گواہ میری
تجھ سے الفت کمال رکھی
ہم نے دیکھا نہ زندگی کو
سانس اپنی نڈھال رکھی
تیرے لفظوں کو یوں سنبھالا
جیسے چڑیا ہو پال رکھی
کوئی رنجش نہیں ہے تجھ سے
میل دل سے نکال رکھی
تجھ سے شکوہ ہے کیسے کرنا
یہ بات ہم نے سوال رکھی
ہمارا ضبط ہنر تو دیکھو
ہر شے تہہ ملال رکھی
تشنگی زینؔ دور ہوگی
جو آہ دل کی سنبھال رکھی

توصیف رضا رضوی

کبھی سوچا نہ تھا ایسا کریں گے
مری چاہت کو وہ رسوا کریں گے
نہیں مِل پایا جس میں ساتھ اُن کا
ہم ایسی زندگی کا کیا کریں گے
تمہارے بعد ہم سے کچھ نہ ہوگا
تمہاری یاد میں رویا کریں گے
بہت ناراض ہیں ہم اُن سے یارو!
اگر مِل جائیں تو شکوہ کریں گے
کھو گے دوستوں سے کیا او توصیفؔ
جب اس کے بارے میں پوچھا کریں گے

الیاس آتش پاکستان

رابطے ان سے جہاں تک پہنچے
دوستی اب یہ کہاں تک پہنچے
جس جگہ تم نے کہا تھا ہم کو
دیکھئے ہم بھی وہاں تک پہنچے
چھڑ گئی ان سے مری پھر جانے
گفتگو اب یہ کہاں تک پہنچے
برملا دل کی کہیں گے اس سے
جب کبھی پیر مغاں تک پہنچے
سوچتے کب ہیں مرے رہبر یہ
کاش کچھ ان کے گیاں تک پہنچے
منزلیں آئی نہیں ہیں اپنی
راستے اب تو کہاں تک پہنچے
خواہشیں دِل میں بڑی ہیں اپنے
کاش یہ ان کے گماں تک پہنچے
ہم رہے چلتے سدا ہی آتشؔ
پر نہیں اپنے مکاں تک پہنچے

نغمانہ کنول یو کے

جھوٹا ہے جھوٹوں کی بولے گا زباں آ کر
قدموں میں بیٹھے گا لے لے گا جان آ کر
باتوں میں چاہت کی شیرینی گھولے گا
زلفوں کا اک اک خم ہاتھوں سے کھولے گا
یوں نہر وہ چاہت کی جاری پھر جاری کر دے گا
مدہوشی عالم پھر جاری کر دے گا
پھر دھوکہ کھا لوں گی پھر اس کی باتوں کا
پھر چین چرا لے گا وہ میری باتوں کا
مانا بے دردی ہے پھر چھوڑ کے جائے گا
وہ کسی بہانے سے منہ موڑ کے جائے گا
اس کا ہرجائی پن اس کی مجبوری ہے
اس کی خاطر میرا جینا بھی ضروری ہے

ڈاکٹر مقصود جعفری

کیا اجازت ہے کریں عرض یہ جاتے جاتے
ہم فقیروں کے ٹھکانے پہ بھی آتے جاتے
تیرے ہونٹوں پہ اگر پیار کے نغمے ہوتے
عرصہ حشر میں نغمے وہی گاتے جاتے
پیار سے تُو نے جو اک بار بھی دیکھا ہوتا
ہم بھی رُوٹھی ہوئی دُنیا کو مناتے جاتے
دوستو مجھ پہ یہ احسان تمہارا ہوگا
داستاں میری اگر مجھ کو سناتے جاتے
شہر میں لوگ جو شمشیر بکف آئے تھے
خونِ انساں نہ کبھی ایسے بہاتے جاتے
کُوئے جاناں سے خاموش گزر آئے
تابِ گویائی جو ہوتی تو بُلاتے جاتے
جعفری اُن کے تبسّم پہ میں قرباں جاؤں
بجلیاں یُوں نہ مرے دل پہ گراتے جاتے

مختار حیات صدیقی

زندگی تیرے لئے عمر گنوا دی ہم نے
جانے والے کو بہت دیر صدا دی ہم نے
درد زندہ تھا تو زندہ تھی تری یاد اے دوست
درد سی شے بھی بلا وجہ گنوا دی ہم نے
سبز آنکھوں میں اترنے کی تمنا کر کے
شعلۂ عشق کو کچھ اور ہوا دی ہم نے
اسکی زلفوں کی گھنی چھاؤں کا لالچ کر کے
تھی جو بوسیدہ سی دیوار گرا دی ہم نے

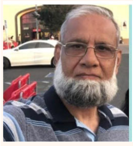

اعجاز قریشی

تُو یاد مجھے اتنا زِیادہ نہ کیا کر
کیا لوگ کہیں گے تجھے ایسا نہ کیا کر
تُو نے کبھی آ کر دِلِ مُضطر کی خبر لی
یُوں اپنی محبت کا تماشا نہ کیا کر
آیا ہوں ترے پاس مِٹانے کے لئے غم
ساقی چلے جانے کا اشارہ نہ کِیا کر
ہر پَل تری حاجت کی خبر اُس نے رکھی ہے
اللّٰہ کے دربار میں شِکوہ نہ کِیا کر
اعجاز مُلاقات ضروری تو نہیں ہے
دِن رات یہی ایک تقاضا نہ کِیا کر

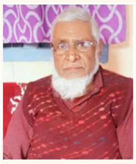

شبیر حسن شبیر

عجیب شخص ہے زندہ ہے بے اثر ہوکر
کبھی رہا جو زمانے میں معتبر ہوکر
نئے نئے سے قوانین جانے کیا کر دیں
ہے بے گھری کا بہت خوف مجھ کو گھر ہوکر
عجیب دور ہے آیا کہ بے سرو ساماں
وہ بے ہنر ہے زمانے میں با ہنر ہوکر
یقین جان لو دل میں عجب خوشی ہوگی
سفر کرو جو مرے ساتھ ہم سفر ہوکر
مرا حریف مرے گھر پہ آ گیا ملنے
ہے کچھ تو بات وہ آیا ہے چشم تر ہوکر
میں آشنا تو ہوا سنگ راہ سے اس دم
گزر گیا جو کبھی تیری رہ گزر ہوکر
یہ زندگی کبھی یکساں نہیں رہی شبیر
رہے ہیں ہم تو یہاں زیر اور زبر ہوکر

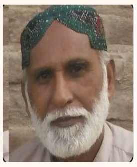

امین اوڈیرائی

پاؤں زنجیر تک نہیں پہنچا
عشق توقیر تک نہیں پہنچا
اس کو سوچا ہے بارہا لیکن
اُس کی تصویر تک نہیں پہنچا
نام رانجھا تو رکھ لیا اُس نے
پھر بھی وہ ہیر تک نہیں پہنچا
ٹوٹ جانے کے بعد بھی یہ دل
غم کی جاگیر تک نہیں پہنچا
جل اُٹھے تھے چراغ چاروں طرف
گھر کہ تنویر تک نہیں پہنچا
آنکھ کُھلتے ہی یہ صدا آئی
خواب تعبیر تک نہیں پہنچا
شہرِ جاں تک تو پہنچ پایا امینؔ
درد دلگیر تک نہیں پہنچا

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

درد میں ڈوبے ہوئے میرے مہ و سال نہ دیکھ
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں مرا حال نہ دیکھ
تو جو دیکھے گا نجومی تو اُلجھ جائے گا
میری قسمت کے ستاروں کی ابھی چال نہ دیکھ
دیکھ اس دل کا یہ بے رنگ سا پھیکا موسم
میں نے اوڑھی ہے جو رنگوں بھری وہ شال نہ دیکھ
گر مرے دل میں ہے رنجش تو بیاں کر مجھ سے
میرے اس شیشۂ دل میں تو کوئی بال نہ دیکھ
میں خطا کار ہوں، لاچار ہوں، کمزور بھی ہوں
میرے مولا! تو مرا نامۂ اعمال نہ دیکھ
دیکھ صیّاد پرندوں کی تو اُونچی پرواز
قید کرنے کو انہیں کوئی حسین جال نہ دیکھ
میرے پیروں میں تو کانٹے ہی چھبے ہیں فرحت
میرے اس باغ کی پھولوں بھری تو ڈال نہ دیکھ

سرفراز تبسم برطانیہ

دریا چھلکتا جاتا ہے کرنوں کے جال سے
روشن ہے بادبان بھی صبحِ جمال سے
ایسا دیا جواب اُسے میں نے ایک دن
نکلا نہیں وہ آج بھی اپنے سوال سے
یادیں جھٹک کے دیکھ چکا ہوں ہزار بار
خوشبو گئی نہیں ہے تمہاری رومال سے
شدت سے یاد آنے لگا مجھ کو میرا گھر
پتّا گرا ہے جب بھی کوئی سوکھی ڈال سے
اندر کوئی فقیر سا آتا ہے وجد میں
پھر اُس کے بعد جی نہیں بھرتا دھمال سے
اے میرے کوزہ گر مجھے رہنے دے چاک پر
میں اور ٹوٹ جاؤں گا اس دیکھ بھال سے

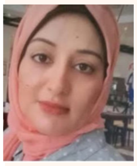

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی قاہرہ

ہجر کے رنج کو تم بھول نہ جانا جاناں
جب ملاقات ہو تب اشک بہانا جاناں
رات دن سنتی ہوں میں دھڑکنیں تیرے دل کی
کیسے یہ دل ہے بنا ان کا ٹھکانہ جاناں
عشق اپنا ہے صنم لیلٰی و مجنوں جیسا
اس لئے سمجھا نہیں اس کو زمانہ جاناں
تم نے محفل میں محبت سے مجھے دیکھ لیا
مل گیا لوگوں کو پھر ایک فسانہ جاناں
جس طرح آتی ہو سپنوں میں دبے پاؤں میں
خواب میں تم بھی اسی طرح سے آنا جاناں
تیر لفظوں کے نکلتے ہیں لبوں سے تیرے
ہوتا یہ دل ہی مرا ان کا نشانہ جاناں
دھوکہ پہلے بھی محبت میں ہوا ہے مجھ کو
زخم تم بھی نہ مرے دل پہ لگانا جاناں

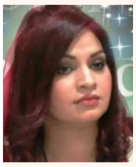

ڈاکٹر ناہید کیانی

چاہتوں کا صلہ نہیں کوئی
اس لیے بھی گِلا نہیں کوئی
تجھ محبت سے شرمسار ہوں میں
تیرے قابل ملا نہیں کوئی
پھول گلدان تک رہے لیکن
پھول دل میں کِھلا نہیں کوئی
رات ہے اور مرے مقدر میں
صبح کا سلسلہ نہیں کوئی
عمر بھر ساتھ جو نبھائے مرا
دوست ایسا دِلا نہیں کوئی
زخم کافی ملے محبت میں
زخم لیکن سِلا نہیں کوئی
شور کرتی رہی ہوا ناہیدؔ
اور پتا ہِلا نہیں کوئی

مبشر سلیم بشر

خواب جیسا حُسن تھا یا آئینہ رکھا ہوا
عشق نے تھا ہر تمنّا کو ہرا رکھا ہوا
میں نے تو سارے دَریچوں میں دیے رَوشن کئے
اب ہوا کے ہاتھ مِیں ہے فیصلہ رکھا ہوا
کس نے دریا کے بہاؤ سے نہ پوچھا راستہ
کس نے لہروں کی جبیں پر تھا گھڑا رکھا ہوا
مجھ جنوں نسبت کو بھی وَحشت مُیَسَّر آ گئی
خواہشِ دیوار نے تھا مُبتلا رکھا ہوا
زندگی سے اتنی اُمیدیں نہ باندھو تم کہ یہ
بہتے پانی پر ہے کوئی بُلبُلا رکھا ہوا
مُدّتوں کے بعد اس نے بھی پُکارا ہے مجھے
اب ہمارے دَرمیاں ہے فاصِلَہ رکھا ہوا
ہر پَریشاں سوچ تھی میرے یَقِینوں کی بشرؔ
ہر گُماں کے شہر میں تھا وَسوَسَہ رکھا ہوا

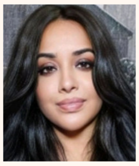

فوزیہ اختر ردا

تجھ کو یہ گماں ہے کہ کوئی بہتر نہ ملے گا
ہے مجھ کو یقیں کوئی برابر نہ ملے گا
تو لاکھ ستم ڈھائے مرے حال پہ ظالم
لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا

اس دل کو ترے پیار کا سرمایہ ملے تو
آنکھوں میں بھی اشکوں کا سمندر نہ ملے گا
خواہش تمہیں محبوب کے دیدار کی ہو گی
دلدار سے بہتر کوئی ہمسر نہ ملے گا
جو لوگ ترے ہیں وہ ترے ساتھ رہیں گے
ہر چاہنے والا ترا باہر نہ ملے گا
شاید کہ ترے قلب میں اترے میری یہ بات
تجھ کو کبھی اس قسم کا رہبر نہ ملے گا
اب اس سے کہا ہے کہ مرے دل میں رہے گا
اب وہ بھی رداؔ شہر میں بے گھر نہ ملے گا

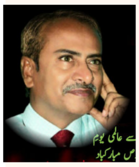

مشتاق دربھنگوی

اس دلربا کی شوخی فطرت کبھی کبھی
میرے لئے بنی ہے قیامت کبھی کبھی
ہم مفلسوں کے حق میں مصیبت کبھی کبھی
ثابت ہوئی ہے باعثِ راحت کبھی کبھی
رشتوں کا احترام مرے دل میں تھا مگر
اپنوں سے میں نے کی ہے بغاوت کبھی کبھی
کرتے ہیں پیٹھ پیچھے مرا شکوہ غیر سے
کرتے وہ رو برو بھی شکایت کبھی کبھی
آ تا ہے ایسا وقت بھی راہِ حیات میں
ہوتی ہے ہمسفر کی ضرورت کبھی کبھی
وہ با شعور ہو کے بھی پتلا خطا کا ہے
ہو جاتی ہے بشر سے حماقت کبھی کبھی
حاصل مجھے بھی ہوتا ملاقات کا شرف
کرتے جو مجھ تک آنے کی زحمت کبھی کبھی
پڑھتا ہوں اپنے نامہ اعمال کو میں جب
ہوتی ہے مجھ کو خود پہ ندامت کبھی کبھی
مشتاقؔ راہ زیست کے یہ پیچ وخم مجھے
دیتے ہیں غور و فکر کی دعوت کبھی کبھی

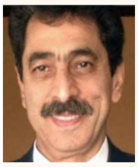

طلعت منیر

یہ بام و در کی جستجو میں در بدر مسافرو
کہ خود سے ہی بچھڑ گئے تو کیسا گھر مسافرو
تمام عمر چلچلاتے راستوں کو بانٹ دی
ہے اور کتنا رہ گیا ابھی سفر مسافرو
یہ جنگلوں میں رقص کرتی ڈائنوں کے ساتھ ساتھ
بکھر رہے تھے پنچھیوں کے بال و پر مسافرو
ہے اک تلاشِ بے ثمر یہ زندگی بھی دوستو
کہ اک سراب جستجو ہے عمر بھر مسافرو
سفر یہ ذات کا منیرؔ اکیلے ہی ہے کاٹنا
کہ کون روئے گا کسی کو عمر بھر مسافرو

فیض خمار بارہ بنکوی

کبھی چناب کا پانی چڑھا نہیں ہوتا
جو دست ہیر میں کچا گھڑا نہیں ہوتا
سخن کا تاج مجھے یوں ملا نہیں ہوتا
در خمار سے جب واسطہ نہیں ہوتا
وفا خلوص محبت انا شعور کرم
اب ان پھلوں میں کوئی ذائقہ نہیں ہوتا
بڑا بناتا ہے انسان کا عمل اس کو
کسی کے کہنے سے کوئی بڑا نہیں ہوتا
امیر لوگوں کے قصے سبھی سناتے ہیں
غریب لوگوں کا کیوں تذکرہ نہیں ہوتا
میں دل کی ساری سلاخوں کو توڑ دوں پھر بھی
تمہارے غم کا پرندہ رہا نہیں ہوتا

سائرہ حمید تشنہ لاہور

تیری خواہشیں پوری ہوں یا نہ ہوں
تو اپنے وطن سے نہ کر بے وفائی
وطن کی زمیں ہوتی ماں کی طرح ہے
بھلے اور برے کے لئے دلربائی
سکھاتی ہے یہ دھرتی ماں ہم کو پیارے
دُشمن میرے کی نہ کر مومیائی
یہی تو کسی قوم کی ذلتیں ہیں
کہ ہو جسم اپنا، روح ہو پرائی
اگر جھک گیا میرے دُشمن کے آگے
تو زندہ ہے لیکن روح فنائی
تجھے روح کی زندگی چاہیے گر
کہہ دُشمن کو دُشمن اور بھائی کو بھائی
تیری روح زندہ تو ہر جا میں عزت
اسی بات کی ملک دیتا دہائی
چلو دھرتی ماں کا گلہ دور کر دیں
کریں اس پہ قرباں سب خواہشائی

احمد نثار انڈیا

روشن نہیں تو ماہِ حسیں بھی تمام ہو
جب خواب مرگئے تو یقیں بھی تمام ہو
یہ جو حسین رات ہے ہونے کو اب تمام
کیا ہو اگر کبھی یہ نہیں بھی تمام ہو
گردِ سفر ہے اب بھی مرے تن پہ جا بجا
یہ بے سبب تکان کہیں بھی تمام ہو
خواہش مرے رقیب کی لگتی ہے اس طرح
ہو آسماں بھی ان کا، زمیں بھی تمام ہو

ایسے مکان شہر میں اگتے ہیں ہر جگہ
ہو گھر میں حادثہ تو مکیں بھی تمام ہو
احساس یہ نثار جو ہوتا ہے ہر گھڑی
جب عمر کٹ گئی تو زمیں بھی تمام ہو

***

دل میں تیری یاد کا صفحہ رقم ہونے لگا
مرا یہ جامِ سفالی جامِ جم ہونے لگا
ایک مدت پر اسے اے دل خیال آیا مرا
تپتے صحراؤں پہ شبنم کا کرم ہونے لگا
لمحہ لمحہ زندگی اپنا سفر کرتی رہی
رفتہ رفتہ پھر ترا جلوہ بھی کم ہونے لگا
دیکھیئے تو جل رہا ہے ٹھنڈی رُت میں شہر آج
بادِ صرصر سے مرا کمرہ بھی نم ہونے لگا
اس کو اب کہہ دو کہ مشکل میری آساں ہوگئی
میرا بیٹا بھی تو میرا ہم قدم ہونے لگا
چاہئے تھا ہر قدم پر ہم کو کرنا احتجاج
سہ رہا تھا اس لئے مجھ پہ ستم ہونے لگا

***

نگاہوں میں جس کی کٹاری رہی
اسی شخص سے خوب یاری رہی
خیالوں کو چھوکر گذرنا ترا
کئی روز تک برف باری رہی
لہو سے بجھاتے رہے پیاس سب
قبیلے میں اک رسم جاری رہی
خلاؤں میں پھرتے رہے شان سے
ہواؤں کے رتھ پر سواری رہی
قناعت کی لو سرد پڑتی گئی
ہوس کی یہ دنیا پجاری رہی
ہمیشہ لچکتی ہوئی شاخ ہوں
مصیبت میں کب خاکساری رہی
زمانے کے غم تھے مداوا مرا
گئے جب بہت اشکباری رہی
شجر پر پرندوں کا میلہ لگا
علاقے میں پھر چاندماری رہی
جورستہ ستاروں بھرا مل گیا
اسی راہ پر دنیا ساری رہی

***

یہ کائنات تو ہے پٹارا فقیر کا
ہوتا نہیں غروب ستارہ فقیر کا
خشکی میں تیرتا ہے شکارہ فقیر کا
کوزے میں بولتا ہے اشارہ فقیر کا
دنیا مرید بن کے کھڑی ہے مگر ہنوز
فاقے میں ہورہا ہے گذارہ فقیر کا
صدقے میں مل گئیں تھیں دعائیں فقیر سے
چمکے گا تاحیات ستارہ فقیر کا
ٹھوکر میں اس کو رکھنا ہی کارِ ثواب ہے
دنیا تو ہے جناب اتارا فقیر کا
قسمت بدل ہی جاتی ہے اس بدنصیب کی
پڑتا ہے جس کو ہاتھ کرارا فقیر کا
گھر بار بھی بسانا تو نام جہاد ہے
یکساں نہیں مزاج، ہمارا، فقیر کا
یہ کیفیت بیان میں آتی نہیں نثار
جب گونجتا ہے ذہن میں نعرہ فقیر کا

فیض خمار بارہ بنکوی

تیرگی ہے کہیں اُجالا ہے
تیری یادوں نے مار ڈالا ہے
جب سے اس کو کہا ہے شعلہ بدن
تب سے میری زباں پہ چھالا ہے
پڑھ کے دیکھو کبھی وفا کی کتاب
ہر ورق پر مرا حوالا ہے
اس کی قربت جسے ہو حاصل
وہ یقیناً نصیب والا ہے
فیض یوں ہی غزل نہیں ہوتی
مدتوں ذہن کو کھنگالا ہے

جمیل الرحمن

خوفِ حساب بے طرف ہم نے حساب دے دیا
دل نے شکست مان لی اُس نے جواب دے دیا
آئینے کے اُدھر بھی ہوں، آئینے کے اِدھر بھی ہوں
میرے سخی یہ کیا کیا کیسا یہ خواب دے دیا
ہم تو بچھڑ گئے کہیں لیکن وہیں رہی زمیں
تینوں کو آسماں نے کیوں یکساں عذاب دے دیا
کیسا عجیب شخص تھا کہ کوئے بہار سے اُدھر
شہرِ خزاں کے موڑ پر اُس نے گلاب دے دیا
مدت ہوئی جمیل تم ایک غزل بھی نہ کہہ سکے
پھر آج کیا ہوا کہ یوں اک نقشِ تاب دے دیا

معذرت

دسمبر ۲۰۲۲ کے شمارے میں ایک غزل غلطی سے محترم سلطان صابری صاحب کے نام سے شائع ہوگئی تھی۔ بعد ازاں اس کی درستی بھی کردی گئی تھی۔ لہٰذا ادارہ اس غلطی پر محترم سلطان صابری صاحب سے معذرت خواہ ہے۔ آئندہ ایسی غلطی سے احتیاط کی جائے گی۔

(مدیر قندیل ادب انٹرنیشنل لندن)

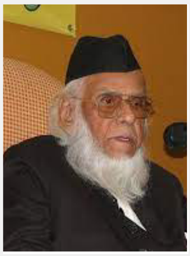

ڈاکٹر کلیم عاجز - یہ طرزِ خاص ہے کوئی کہاں سے لائے گا

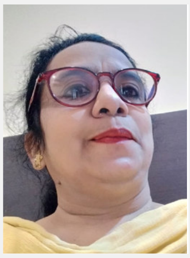

از قلم: ڈاکٹر مظفر نازنین، کولکاتہ

وطنِ عزیز ہندوستان میں بہت سی نابغہ بروزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ ایسی ہی عہد آفرین ہستیوں میں شمار ہوتا ہے عالمی شہرت یافتہ شاعر، باعث افتخار، استاد الشعراء جناب ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کا۔ جن کے بغیر اردو غزل کا تصور تقریباً ناممکن ہے۔ اردو شاعری میں صنف غزل کو جلا بخشنے، تقویت دینے اور پروان چڑھا میں ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کا بہت بڑا رول ہے۔

ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کی پیدائش 11 اکتوبر 1926ء میں پٹنہ کے تلہاڑا میں ہوئی۔ 1946ء میں جب وطن عزیز ہندوستان بحرانی دور سے گذر رہا تھا۔ پرانی بساط کے مہرے الٹ رہے تھے۔ ایسے ماحول میں کلیم عاجزؔ صاحب نے آنکھیں کھولیں تھیں اور اس ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جب ان کے عزیز شہید ہوگئے۔ اس خونچکاں واردات کا اثر کلیم عاجزؔ پر ایسا ہوا کہ اس واردات کے کرب نے اور اس ہولناک منظر نے کلیم عاجزؔ کو ڈاکٹر کلیم عاجزؔ، پدم شری ایوارڈ یافتہ، عالمی شہرت یافتہ شاعر ڈاکٹر کلیم عاجز کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ قدرت کا کیا خوب کرشمہ ہے کہ وہ جسے چاہے اور جب چاہے نواز دیتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے کلیم عاجزؔ صاحب کو غضب کی ذہانت اور بلا کی فطانت عطا کی تھی۔

ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب رقم طراز ہیں:

’’میری غمگینی، الم آفرینی، اس میں لہجے کا جو دھیماپن ہے۔ اس میں جو نازک نازک سے آبگینے کے پگھلنے کی کیفیت بھی ہے۔ اس میں جو نرم نرم پھولوں کے پھوٹنے کا آہنگ ہے۔ اس میں جو زخموں کے رسنے کی سرسراہٹ ہے۔ یہ مریضانہ پن نہیں ہے۔ ان میں صحت مندی ہے۔ ان میں جینے اور رجلانے کا فن ہے جو بڑی بڑی للکار والی شاعری میں بھی نظر نہیں آتی ہے۔‘‘ (وہ جو شاعری کا سبب ہوا)

ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کی ایک خوبصورت غزل کے چند اشعار قارئین کے فن شناس نظروں کی نذر کررہی ہوں۔ جس سے صاف پتے کی مانند عیاں ہے کہ موصوف کا دل کیسے درد و کرب، رنج و آلام سے لبریز تھا۔ اور ان کی نظروں سے کیسے دردناک منظر دیکھے تھے جس کا ذکر ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب نے اپنے اس خوبصورت غزل میں درد بھرے لہجے میں کی ہے۔ ملاحظہ کریں

وہ ستم نہ ڈھائے تو کیا کرے
اس ے کیا خبر کہ وفا ہے کیا

تو اس کو پیار کرے ہے کیوں
اے کلیم تجھ کو ہوا ہے کیا

تجھے سنگِ دل پہ پتا ہے کیا
کہ دکھے دلوں کی صدا ہے کیا

کبھی چوٹ تو نے بھی کھائی ہی کیا
کبھی تیرا دل بھی دکھا ہے کیا

تو امام شہر ستم گراں میں گدائے کوچہ عاشقاں
تو امیر ہے تو بتا مجھے میں غریب ہوں تو برا ہے کیا

تو جفا میں مست ہے روز و شب
میں کفن بدوش غزل بلب

تیرے رعب حسن میں چپ ہیں سب
میں بھی چپ رہوں تو مزا ہے کیا

اور حالات حاضرہ کے تناظر سے ان کا یہ شعر بالکل صحیح نظر آتا ہے۔ جس کی پیش قیاسی ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کی دوراندیش نظروں نے بہت پہلے کی تھی۔

ابھی تیر عہدِ شباب ہے
ابھی کیا حساب و کتاب ہے

ابھی کیا نہ ہوگا جہاں میں
ابھی اس جہان میں ہوا ہے کیا

اور ایک خوبصورت غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

بڑے خلوص سے محفل میں جام آیا ہے
کہ آج دور سے ایک تشنہ کام آیا ہے
چلو سخنورو ! بزم مشاعرہ کہ وہاں

کلیم عاجزؔ شیریں کلام آیا ہے

تمام شہر کے پیاسوں کو دو خبر کہ وہ آج
غزل میں لے کے محبت کا جام آیا ہے

قفس میں چھوڑ کر آئے ہیں جس کو اہل چمن
انہیں کا لے کے پیام و سلام آیا ہے

جگر پہ چوٹ جنہیں ہر قدم پہ لگتی ہے
انہیں شکستہ دلوں کا امام آیا ہے

تمام لالہ و گل خوب جانتے ہیں اسے
اسی کا خونِ جگر سب کے کام آیا ہے

مگر اٹھا کے جو تاریخ گلستاں دیکھو
نہ ذکر، نہ کہیں اس کا نام آیا ہے

وہ کلیم سنانے غزل کے پردے میں
حکایتیں ستم صبح و شام آیا ہے

کہتے ہیں لیکن یہ لوگ غلط ہی کہتے ہیں
کہ جناب میرؔ کا قائم مقام آیا ہے

نازشِ دبستانِ عظیم، آفتاب سخن، آبروئے غزل حضرت کلیم عاجزؔ صاحب کی شخصیت عظیم تھی۔ آج عظیم آبادی کی دھرتی کو اس عظیم شاعر پر بے حد ناز ہے۔ اور ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف سارا زمانہ ہے۔ ان کے گوہر افکار کی وسعت اور بلندی اپنے آپ میں مثال ہے۔ شاید ایسا کلیم عاجزؔ اب سرزمین عظیم آباد کو نہ ملے جس کے لیے اس دھرتی کو تڑپنا پڑے گا۔ ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر اور پھر ریڈر رہے۔ انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ دین و شریعت کے سخت پابند تھے۔ درویشانہ زندگی تھی۔ فطرت میں سادگی اور حق پرستی تھی۔ اردو زبان اور علم و ادب کا فروغ و اصلاحِ معاشرہ ان کا نصب العین تھا۔ زندگی کے سارے غم جو ان کے روح میں پیوست تھے۔ اشعار کا آبشار بن کر بہنے لگے۔ زندگی کے دکھ درد ان کی شاعری بن کر دنیا کو احساسِ غم کی لذت سے ہمکنار کیا ہے۔ لیکن اردو شاعری کی تاریخ میں کلیم عاجزؔ جیسا کوئی اور نظر نہیں آتا۔

حب الوطن کا ثبوت دینے والے بیشتر لوگ ہیں۔ بڑے بڑے سیاستداں ایوانِ بالا میں بیٹھ کر اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھا اور بظاہر یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ذہن و دل حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہے۔ لیکن اصل جذبۂ حب الوطنی تو وہ ہے جو ہندوستان کے معروف آسمانِ شاعری کے درخشاں تابندہ ستارہ باعث افتخار شاعر ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب نے پیش کی تھی۔ جہاں انہوں نے اپنے گاؤں کے کنویں کو ماؤں، بہنوں اور بچوں کی لاشوں سے بھرا دیکھا تھا۔ تلہاڑا کی زمین گنج شہداں ہوگئی۔ علم و عرفاں و آگہی کی قوت نے ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کو جینے کا سہارا دیا۔ اور شاید یہی وہ turning point تھا جو کلیم عاجزؔ کو ڈاکٹر کلیم عاجزؔ بحیثیت عالمی شہرت یافتہ شاعر، معروف غزل گو اور پدم شری ایوارڈ یافتہ کی شکل میں پیش کیا۔ درد و کرب، مصائب و آلام سے لبریز ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کی یہ غزل قارئین کے فن شناش نظروں کی نذر کرتی ہوں:

میرے لئے سے لئے وہ ملائیں گے کیا
جو روئے نہیں ہیں وہ گائیں گے کیا

خزاں میں تڑپنا نہ آیا جنہیں
بہاروں میں وہ مسکرائیں گے کیا

جنہوں نے اجاڑا نہیں اپنا گھر
وہ اوروں کی بستی پہ سوئیں گے کیا

جنہیں درد دل پہ لگی ہی نہیں
مرا دردِ دل آزمائیں گے کیا

اگر محبت ہم نے دیں اپنا خونِ جگر
وہ آئیں گے کیا ہم بلائیں گے کیا

اگر ہم نے دیں اپنا خونِ جگر
وہ ہاتھوں میں مہندی لگائیں گے کیا

ایک اور غزل کے چند اشعار قارئین کے لیے ملاحظہ کریں:

کلیم آئے بھی اپنا ہنر دکھا بھی گئے
الاپ بھی گئے ، رو بھی گئے ، رلا بھی گئے

کلیم آئے غزل بھی پڑھ گئے
محفل کو سننا بھی گئے

اک آگ لائے بھی ، لے بھی گئے ، لگا بھی گئے
وہ چوٹ کھائی جگر پہ کہ تلملا بھی گئے

مگر تھے وضع کے پابند مسکرا بھی گئے
سنا گئے کسی پردہ نشین کا افسانہ

وہ شوخ پردہ نشین کون ہے بتا بھی گئے
وفا شعاروں کو کیا پوچھو ہو زمانہ ہوا

وہ چھوڑ بھی گئے ، بستی کو گھر جلا بھی گئے
زمانہ دنگ ہے عاجزؔ کہ اس زمانے میں

جو کہہ رہے تھے وہی کر کے ہم دکھا بھی گئے

ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کا انداز منفرد، لہجہ منفرد، آواز منفرد جس کی جھلک اس شعر میں نظر آتی ہے۔

یہ طرز خاص ہے کوئی کہاں سے لائے گا
جو ہم کہیں گے کسی سے کہا نہ جائے گا

غزل میں کون نئی چاشنی چکھائے گا
اگر کلیم نہ ہوگا مزہ نہ آئے گا

غموں کے بوجھ سے کانپے گا تھرتھرائے گا
مگر مزاج جو پوچھے گے مسکرائے گا

کوئی نہ دردِ جہاں کو غزل بنائے گا
یہ بوجھ اسی پہ پڑا ہے وہی اٹھائے گا

زمانہ لاکھ اسے تڑپائے گا رلائے گا
وہ مرثیہ نہ کہے گا غزل ہی گائے گا

اس نے دل کو جلایا ہے روشنی کے لیے
جو دل جلانہ سکا شمع کیا جلائے گا

یہ طرزِخاص ہے کوئی کہاں سے لائے گا

اتنے بڑے عظیم شاعر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت بہار ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کے نام پر یونیورسٹی میں چیئر قائم کرے۔ ان کے نام پر اسکالرز کو ایوارڈ دیئے جائیں اور جس طرح سے غالب اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ اسی طرح کلیم عاجز اکیڈمی قائم کیا جائے۔ تب اس عظیم شاعر کو خراج عقیدت پیش کرنا اصل مقصد ہوگا۔ تا کہ اس عظیم شاعر کو اردو والے رہتی دنیا تک یاد رکھیں۔

In short, I would like to say that Dr. Kalim Aajiz Saheb was the world renowned Urdu poet and Padam Shri awardee from the government of India. I request the higher authorities of Patna University and Government of Bihar to creat a chair in his name and establish Urdu Academy under the name of this world renowned Urdu poet & Padam Shree awardee Dr. Kalim Aajiz Sb. The only way we can pay homage or tribute to this great poet.

کلیم عاجز صاحب کا یہ شعر بذات خود ان کی غزل گوئی کی داد دیتا ہے۔

بلاتے کیوں ہو عاجز کو بلانے میں کیا مزہ دے ہے
غزل کچھ ایسا پڑھے ہے دل ہلا دے ہے

غزل کے چند خوبصورت اشعار ملاحظہ کریں:

کلیم آئے بھی اپنا ہنر دکھا بھی گئے
الاپ بھی گئے رو بھی گئے رلا بھی گئے
کلیم آئے بھی غزل بھی پڑھ گئے
محفل کو سنا بھی گئے
اک آگ لائے بھی لے بھی گئے لگا بھی گئے
وہ چوٹ کھائی جگر پر کہ تلملا بھی گئے
مگر تھے وضع کے پابند مسکرا بھی گئے
سنا گئے کس پردہ نقش کا افسانہ
وہ شوخ پردہ نشیں کون ہے بتا بھی گئے
زمانہ دنگ ہے عاجزؔ کہ اس زمانے میں
جو کہہ رہے تھے وہی کر کے ہم دکھا بھی گئے

کلیم عاجز صاحب نے بہت ہی آسان اور سادہ لفظوں میں غزل کہی ہے۔
ملاحظہ کریں:

یہ بات صبا کہو ان سے وہ جن کی کملیا کالی ہے
اب ان کے غلاموں کے گھر کی دیوار اٹنے والی ہے
کہو کہ انہوں نے اپنی نظر کیوں ہم سے الگ فرمائی ہے
ہم نے تو انہیں کی زلفوں کی زنجیر گلے میں ڈالی ہے
دل بھی ہے بڑا سونا رات بھی کالی کالی ہے
کہو کہ وہی تو ساقی ہے کہو کہ وہ یہ بھی جانے ہے
رندوں کو لگی ہے پیاس بہت اور سب کا پیالہ خالی ہے

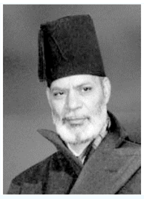

سر محمد ظفر اللہ خان ایک احمدی مسلمان تھے

مرزا عبدالرحیم انور لندن

یعنی قادیانی تھے، اور آج پاکستان میں احمدیوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں کتنے افسوس کی بات ہے۔ مراکش پر اُس وقت فرانس کا تسلط تھا اور فرانسیسی، مراکش کو اپنی نوآبادی تصور کرتے تھے، ایسے میں مراکش کے موجودہ بادشاہ کے دادا محمد پنجم مرحوم کی قیادت میں مراکش کی فرانس سے آزادی کی تحریک جاری تھی۔ 1952ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر شاہ محمد پنجم کی طرف سے بھیجے گئے تحریک آزادی کے سرگرم لیڈر احمد عبدالسلام بلفرج جب سیکورٹی کونسل میں مراکش کی آزادی کے حق میں آواز بلند کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو وہاں موجود فرانسیسی نمائندے نے احمد بلفرج کو یہ کہہ کر خطاب کرنے سے روک دیا کہ ’’مراکش چونکہ فرانس کی کالونی ہے لہٰذا احمد بلفرج کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے بولنے کی اجازت نہیں۔‘‘ اجلاس میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان بھی موجود تھے۔ انہوں نے جب احمد بلفرج کے ساتھ فرانسیسی نمائندے کا ہتک آمیز سلوک دیکھا تو احمد بلفرج کو پاکستانی شہریت کی پیشکش کی اور اُسی رات نیویارک میں قائم پاکستانی سفارتخانہ کھلوا کر عبدالسلام بلفرج کو پاکستانی پاسپورٹ جاری کیا۔ اس طرح دوسرے روز احمد بلفرج نے ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے پاکستان چیئر سے جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کیا اور مراکش کی آزادی کے حق میں آواز بلند کی جس نے مراکش کی آزادی کی تحریک میں نئی روح پھونک دی اور بالآخر 19 نومبر 1956ء کو مراکش، فرانس کے تسلط سے آزاد ہوا۔ فرانس سے آزادی ملنے کے بعد مراکش کے بادشاہ محمد پنجم نے احمد عبدالسلام بلفرج کو مراکش کا پہلا وزیر اعظم نامزد کیا۔ احمد بلفرج آج دنیا میں نہیں مگر وہ جب تک وزیر اعظم کے منصب پر فائز رہے، انہوں نے اپنے دفتر میں پاکستانی پاسپورٹ کی کاپی آویزاں رکھی۔ احمد بلفرج کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے دفتر میں ملاقات کیلئے آنے والے ہر شخص کو پاکستانی پاسپورٹ دکھاتے ہوئے بڑے فخر سے بتاتے تھے کہ مراکش کی آزادی کی تحریک میں پاکستانی پاسپورٹ نے اُن کی بڑی مدد کی۔

محمد حنیف صحافی

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ ہم کیا کریں؟ آپ اپنے آپ کو پاکستان کا شہری ثابت کرنے کے لئے شناختی کارڈ کا فارم بھرتے ہیں تو آپ سے ایک سوال پوچھا جاتا ہے جو دنیا کے کسی اور مسلمان ملک میں کسی مسلمان شہری سے سے نہیں پوچھا جاتا۔ آپ سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ آپ کی دماغی صحت ٹھیک ہے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں، چور ہیں یا سمگلر، زندگی میں کتنے rape کئے ہیں؟ کبھی ٹیکس دیا ہے یا نہیں؟ جناح کو قائداعظم مانتے ہیں یا کافراعظم؟ بچوں کو سکول میں پڑھواتے ہو؟ یا بازار میں بھیک منگواتے ہو؟ شریعت چاہیے یا socialism پاک فوج کو قوم کا سرمایا سمجھتے ہو یا قوم کے سرمائے کا چور؟ آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ ثابت کریں کہ آپ ہندو ہیں، عیسائی ہیں، پارسی، سکھ یا بت پرست نہیں ہیں؟ لیکن حلف نامہ جو شناختی کارڈ کے فارم میں ہے اور اس وقت ہم پچیس سال سے آنکھ بند کر کے کبھی اپنے دستخط سے اور کبھی انگوٹھا لگا کر صدق دل سے بھر رہے ہیں وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں، میں قادیانی نہیں ہوں اور میں ان کے ذیلی فرقہ لاہور گروپ سے بھی تعلق نہیں رکھتا۔ ایک چھوٹا سا فرقہ جو ہمارے آئین کے مطابق غیر مسلم ہے لیکن اسے بھی ہماری طرح نمازیں پڑھنے اور داڑھیاں رکھنے کا شوق ہے۔ اس سے ہمیں اتنا خوف کیوں آتا ہے؟ ہمارے ایمان کو السلام علیکم کہنے والے، بسم اللہ پڑھنے والے، مسجدوں میں نماز قائم کرنے والوں سے اتنا خطرہ کیوں؟ کہ اگر وہ ’سلام‘ ’بسم اللہ‘ اور مسجد جیسے الفاظ بولیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ انہیں سیدھا جیل جانا چاہیے اور یہ کیسے ہو گیا کہ دنیا کہ زیادہ تر اسلامی ممالک میں کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ ان کے مذہب اور معاشرے کو سب سے زیادہ خطرہ قادیان کے گاؤں سے اُٹھنے والے اس فتنہ سے ہے۔ لاہور میں احمدیوں کی مسجدوں پر حملہ کرنے والوں کی عمریں اتنی کم تھیں کہ انہیں یہ بھی علم نہ ہو گا کہ سن 1974ء سے پہلے احمدی مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھے جاتے تھے لیکن 35 سال کے اندر ہمارے ایمان میں اتنی پختگی آئی ہے کہ ہم نے نہ صرف انہیں کافر قرار دیا ہے بلکہ دنیا کے بدترین کافر۔ جب ہم احمدی مسجد کو عبادت گاہ کہنے پر مصر ہوتے ہیں تو ہم اپنے ملک کے قانون پر پابندی کر کے تین سال قید با مشقت سے تو بچتے ہی ہیں، ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھیں نہ یہ مندر ہے نہ کلیساہ، نہ گوردوارا، نہ سینیگاگ۔ یہ ایک عبادت گاہ ہے جہاں ایک وحشی بت پرست کسی بھی خدا کو نہ ماننے والے لوگ خدا اور اس کے

رسول اوراسکے ماننے والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔لیکن آپ کو یہ جان کر دُکھ ہوگا کہ بہت سے احمدی اپنے آپ کو ہم سے بہتر مسلمان سمجھتے ہیں۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کام جو پوری اسلامک دنیا میں نہیں ہوسکا۔بلکہ زیادہ تر گمراہ مسلمانوں نے اس کے بارہ میں سوچا بھی نہیں، وہ اس مملکت خداداد میں کیسے ممکن ہوگیا؟ قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، ہم ہمیشہ ان کی ۱۱ ستمبر والی تقریر کو quote کر تے ہیں۔اس کا حوالہ نہ دیتے ہوئے بھی بریلوی صاحب نے دیا۔لیکن ظاہر ہے کہ قائداعظم ایک سیاست دان تھے انہوں نے اور بھی بہت سی باتیں کی ہونگی، تو اس جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ’’یہ ملک ایسی لیبارٹری ہو جہاں اسلامی نظریات پر تجربات کئے جاسکیں۔اور قائداعظم کا یہ مضمون معاشرتی علوم اور تاریخ کی ہر کتاب میں اور ہر سکول میں آج کل پڑھایا جاتا ہے۔تو لیبارٹری میں جو تجربات کامیاب ہوجاتے ہیں تو اس کے بعد ان کی production بڑے پیمانے پر شروع ہوجاتی ہے۔70ء کی دہائی میں ہم نے جو نئے کافر تیار کرنے کا کامیاب تجربہ کیا تھا وہ وہیں نہیں رُکا۔80ء اور 90ء کی دہائی میں کئی مسجدوں سے نعرے اُٹھے، کافر کافر، شیعہ کافر اور ملک کے طول وعرض میں شیعہ ڈاکٹر، استاد، وکیل، تاجر اور دانشور چن چن کر انتہائی بے دردی سے قتل کئے گئے اور اتنی بے دردی سے قتل کئے گئے کہ احمدی بھی کہہ اُٹھے ہونگے کہ شکر ہے کہ ہم کافر ہیں، شیعہ نہیں۔فوج پہلے طالبان کو مومنین سمجھتی تھی، اب کافر سمجھتی ہے یا شاید ہمیں یہی بتاتی ہے۔پنجاب کی حکومت پنجابی بولنے والے طالبان کو مسلمان سمجھتی ہے، پشتو بولنے والوں کو کافر۔یا الٰہی یہ ملک ہے یا کافر بنانے کی فیکٹری؟

اس کے بعد سے کافر پیدا کرنے کا کاروبار اتنا پھیل چکا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ہر شہری کے لئے دو اور ایسے مسلمان موجود ہیں جو اسے کافر سمجھتے ہیں۔یا رسول اللہ کہنے والے یا حسین کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔ داتا صاحب پر منّتیں ماننے والے، بلھے شاہ کے مزار پر دھمال ڈالنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔جب ہم اپنے شناختی کارڈ کے فارم پر دستخط کر کے یا انگوٹھا لگا کر کسی کو کافر قرار دیتے ہیں تو ساتھ ہی اپنے لئے بھی ایک فتوے کی راہ کھول دیتے ہیں۔کیونکہ مرنے والے بدترین کافر تھے۔اس لئے ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی کفر ہے۔لیکن یہ دعا تو کی جاسکتی ہے کہ جو باقی بچے ہیں اللہ انہیں زندہ رکھے۔بہت شکریہ

جنرل یحییٰ خان کی داشتائیں - عاصی صحرائی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اکثر سربراہ شرابی اور زانی تھے۔مگر جنرل یحییٰ خان سب سے بازی لے گئے تھے۔نذیر ناجی حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔جنرل یحییٰ خان (جماعت اسلامی کے امیر المومنین) بے حد عیاشی کی زندگی گزارتے تھے۔جنگ کے دنوں میں جنرل یحییٰ خان نے اپنے دفتر میں جانا بند کردیا تھا۔بیگم شاہین کے این حسین، آئی جی پولیس مشرقی پاکستان کی بیوی، بیگم افزودہ بٹ، اقلیم اختر جنرل رانی، میڈم نور جہاں، نازلی بیگم، مسز زینب ملک خضر حیات ٹوانہ کی سابقہ بیوی، انورہ بیگم ڈھاکہ کی ایک بزنس مین، مسز للّی خان، لیلیٰ مزمل، ان سب خواتین کا ایوان صدر میں اکثر آنا جانا رہتا تھا، خصوصاً صبح سویرے گھر کو جاتیں۔ جنگ کے دنوں میں یہ رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں۔کبھی کبھار جنرل یحییٰ خان بیگم شمیم کے ساتھ کھانا کھانے باہر نکل گئے اور دوسرے دن واپس آئے۔ جب لاہور گئے تو میڈم نور جہاں روزانہ شام کو انہیں ملنے آتی تھی۔رات بھی رہتی تھیں۔مسز شمیم کے این حسین، اور کے این حسین کو سفراء مقرر کیا۔آسٹریلیا میں اور سوئٹزر لینڈ میں سفراء مقرر کر دیا۔جنرل یحییٰ خان اکثر اپنے ملٹری سیکٹری کو اپنی داشتاؤں کیلئے رقوم تقسیم کرواتے تھے۔ناجائز، اور میرٹ کے بغیر تقرریاں کیں اور مراعات دیں۔

پاکستان

پاکستان میں سونے تانبے کے کھربوں ڈالر کے ذخائر دریافت ہوئے پاکستانیوں کی حالت نہیں بدلی کامرہ میں فائٹر جیٹ طیارے مزائل بنا کر بیچنے شروع کر دیے گئے لیکن پاکستان کی حالت نہیں بدلی لیکن مٹھو کباڑیے کی اس بچی کی شادی جنرل قمر جاوید باجوہ کے 20 سال کے لونڈے سے طے ہوئی اس کے اکاؤنٹ میں 1.25 ارب روپے ٹرانسفر ہوگئے بیوی کے اکاؤنٹ میں 12 ارب روپے پہنچ گئے اور پاکستان کے سپہ سالار کو پتہ ہی نہیں چلا کہاں سے آگئے پاکستانیوں جاگ جاؤ۔اس سے پہلے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے یہ جرنیل بیچ کر کہیں ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا کدھر چلے گئے۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

لطائف غالب سے اقتباس: بیسنی روٹی

مرزا صاحب، بہادر شاہ بادشاہ کے مقربوں میں تھے۔جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تو ان کے ہاں تحفۃً بھیجا کرتے تھے۔ایک دفعہ بادشاہ نے ان کو چوبدار کے ہاتھ بیسنی روٹیاں بھیجیں۔جب چوبدار مرزا صاحب کو روٹیاں دے کر چلا گیا تو ایک دیہاتی طالب علم نے جو مرزا صاحب سے پڑھتا تھا اور وہیں موجود تھا مرزا صاحب سے پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے تحفہ کے طور پر تقسیم ہوتی ہے؟ مرزا صاحب نے کہا:

''ارے احمق! چنا وہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جناب الٰہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں۔مجھے دلتے ہیں۔پیستے ہیں۔بھونتے ہیں۔پکاتے ہیں۔اور مجھ سے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا۔وہاں سے حکم ہوا کہ اے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جا، ورنہ ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں''۔

مرزا صاحب نے ان بیسنی روٹیوں کے شکریہ میں ذیل کا قطعہ بادشاہ کے حضور میں پڑھا:

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدمؑ یہ بیسنی روٹی

اعلان

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637, (R) 02086482560

مصنوعی گوشت

رجل خوشاب

سائنس اور ٹیکنالوجی سے ہونے والی ترقی ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک کے بعد ایک نئی اور انوکھی ایجاد سامنے لا رہی ہے۔اور آخر کار کئی سالوں کی ریسرچ کے بعد لیبارٹری میں تیار شدہ گوشت آخر کار بازاروں میں بکنے کے لئے آ ہی گیا...اب آپ بڑے آرام سے مرغی کا گوشت بغیر مرغی کے اور گائے کا گوشت بغیر گائے ذبح کئے خرید سکیں گے۔لیبارٹری میں پودوں سے تیار ہونے والے اس گوشت کو۔Cultured Meat...اور Vitro Meat..بھی کہتے ہیں۔یہ پودوں سے بنایا ہوا.plant Meat ہے جو جانوروں کے بغیر لیبارٹری میں جانوروں کے cell کی خصوصی نگہداشت کی صورت میں لیبارٹری میں تیار کیا گیا ہے۔۔۔پودوں سے حاصل ہونے والا گوشت ذائقے۔۔استعمال اور شکل وصورت میں بالکل اصلی گوشت کی صورت میں ہے۔۔پودوں سے بنایا ہوا یہ مصنوعی گوشت عام طور پر...سویا۔۔مٹر۔۔پھلیاں۔۔۔مشروم۔۔مونگ پھلی۔۔ناریل کا تیل یا گندم کے گلوٹین سے بنایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ پودوں سے بننے والے گوشت میں کچھ protein کا مرکب بھی ہوتا ہے۔اس مصنوعی گوشت کو سرخ بنانے بنانے کے لئے قدرتی آئل۔۔۔اور Flavors بھی شامل کیے جاتے ہیں۔پودوں کے تیل کو اس مصنوعی گوشت کو چکنا بنانے اور ذائقہ بڑھانے یا چربی کی شکل دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔امریکی کمپنی مرغی کے گوشت کا متبادل تیار کرنے کے لئے 1200 لٹر کے Bio reactor استعمال کر رہی ہے... سنگاپور فوڈ ایجنسی نے حال ہی میں اس مصنوعی گوشت کو اپنے ملک میں بیچنے کی اجازت دی ہے۔۔۔امریکہ اور دوسرے ممالک میں یہ گوشت۔۔Nestle company بنا رہی ہے جس کو Nestle Meat کے نام سے مارکیٹ کیا گیا ہے۔۔یہ گوشت زیادہ تر برگرز بنانے والی کمپنیاں استعمال کر رہی ہیں۔۔اس کے علاوہ Nuggets اور دوسرے products بھی تیار کئے جاتے ہیں۔۔پچھلے کچھ سالوں میں مصنوعی گوشت کی مارکیٹ میں بہت اضافہ ہوا۔۔امریکہ میں اس وقت گوشت کی مارکیٹ 7 بلین ڈالر ہے۔جس میں پودوں سے بنائے گئے مصنوعی گوشت کی مارکیٹ 4.1 بلین ڈالر ہے۔تو اب نہ گائے ذبح کرنے کی ضرورت۔۔نہ مرغی۔۔اور نہ قصائیوں سے جھگڑے کی ضرورت کہ ہڈیاں۔۔اور چھیچھڑے کی لڑائی بھی ختم...سائنسی سائنسی معلومات سائنسی معلومات فاروق جاوید۔۔اس مضمون کی تیاری میں کچھ مواد رپورٹس سے لیا گیا۔

***

ادارہ امراض مذہب کا قیام ۔ سبوخ سید

منگل 17 جون 2014

پاکستان میں کینسر کا اسپتال ہے۔امراض قلب کا ہے۔آنکھوں کا ہے۔دماغ کا ہے۔لیکن مذہبی مریضوں کا کوئی نہیں۔ہم فوری طور ملک بھر کے تمام اسپتالوں میں شعبہ امراض مذہب قائم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ بیماری انسانی جسم میں بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔آپ اگر کسی شخص میں اس طرح کے مسائل دیکھیں تو فوراً اس سے دور ہو جائیں کیونکہ یہ متعدی بیماری ہے۔اکثر مذہبی قسم کے لوگوں میں اس بیماری کے ساتھ ہی اکڑ پیدا ہو جاتی ہے۔وہ دوسرے انسانوں کو تیسرے درجے کا انسان سمجھتے ہیں۔اگر کسی نے درس نظامی نہ کیا ہو تو اسے کہیں گے کہ بس تھوڑا بہت مطالعہ ہے لیکن علم شلم کوئی نہیں۔گلی گلی چرسیوں کی تاریخ کی کتابیں اٹھائے پھر رہے ہوں گے اور بگڑی ہوئی شکلوں کے ساتھ صحابہ کرام پر تنقید کرتے پھریں گے۔

دوسرے لوگوں پر طنز کریں گے،انہیں نام نہاد دانشور یا نوخیز دانشور جیسے القابات دیں گے۔اس دوران اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کے لیے بڑی بڑی شخصیات کی کتابوں کے حوالے دیں گے۔اپنے دور کے انسان انہیں بہت برے لگتے ہیں لیکن قرون اولیٰ کے لوگوں کے ایسے نام لیں گے جیسے وہ ابھی ہی ان سے مل کر گئے ہوں۔صدقہ،زکوۃ،خیرات خمس سب کھا لیتے ہیں۔دل کمزور ہو جاتا ہے۔کسی کی بات نہیں سن سکتے۔خود کو دین دار اور جو انہیں چندے دے کر پال رہا ہوتا ہے اسے دنیا دار کہتے ہیں۔(پتا نہیں اگر جناب ابوبکر صدیق،فاروق اعظم اور عثمان غنی اور سیدنا معاویہ اس دور میں ہوتے تو مذہبی مریض انہیں کیا کہتے) حیاتی مماتی والی تقریریں کریں گے۔نور و بشر،صلوۃ وسلام،،آمین بالجہر،فاتحہ خلف الامام،دعا بعد جنازہ،تراویح بیس ہیں یا آٹھ تراویح ہے ہی نہیں۔جیسی بحثیں کر رہے ہوں گے۔شدید گرمی میں بہت سے کپڑے کے ساتھ تعصب کا چشمہ پہنے ہوں گے۔کثرت سے جھوٹ بولتے ہیں۔

عزت صرف امیر آدمی کی کرتے ہیں۔خود کو ابوحنیفہ جبکہ سامنے والے کو تو نسیم چورن والا سمجھتے ہیں۔مخصوص قسم کا لباس اور ٹوپیاں پہنے ہوں گے اور کوشش کریں گے پوری دنیا کو یہ ٹوپیاں پہنا کر شاہ دولے کے چوہے بنا دیں۔ہر شخص انہیں مرتد مرتد سا نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود اس سے چندہ مانگتے ہیں۔بیٹا پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں آزان بعد میں دیں گے لیکن اس کی جیب میں چندے کی رسید پہلے ڈال دیتے ہیں۔

عام انسانوں سے ہٹ کر ابنارمل سا لباس اور وضع قطع اختیار کر لیتے ہیں۔اپنے ہی بیٹے کو تین چار تقریریں رٹوا کر مدرسے میں نائب مہتمم بنا دیتے ہیں۔لوگوں کے پلاٹوں پر مذہب کے نام پر قبضہ کر لیتے ہیں۔رہتے پاکستان میں ہیں لیکن دم بریلی شریف،دیوبند شریف،ایران شرہف اور سعودی عرب شریف کا بھرتے ہیں فرقہ واریت کی آگ بھڑکا کر عمرہ،حج اور زیارتوں کے لیے شام،عراق،ایران اور ہندوستان کا رخ کر لیتے ہیں۔اپنے مذہبی جلوس سڑکوں پر نکالیں گے اور ٹریفک جام کر کے خوش ہوں گے مخالف فرقے کی عبادت گاہ کے سامنے خوب غل غپاڑا کریں گے۔اگر کسی نے روک دیا تو گستاخ رسول کا پرچہ کٹوا دیں گے۔مسجد میں اونچی آواز میں لاوڈ اسپیکر لگا کر نعتوں اور تقریروں کے نام پر چندہ نہ دینے والے لوگوں کو سونے نہیں دیں گے۔ایسے مریضوں کو جہاں کہیں دیکھیں ان سے دور رہیں۔ان کی کاروائیوں کے بارے میں قریبی پولیس اسٹیشن کو اطلاع کریں۔اراکین پارلیمان سے قانون سازی کرائیں لوگوں سے کہیں ان کی صحت کی بحالی تک تمام محلے والے باری باری مسجد میں خود ہی نماز پڑھا لیا کریں گے۔ان تمام حضرات کو بھی حق ہے وہ عام انسانوں کی طرح زندگی گزار سکیں۔اس لیے ان کے لیے بجٹ میں رقم مختص کی جائے اور فوری طور ضلعی سطح پر شعبہ امراض مذہب قائم کیا جائے،اگر اسپتالوں میں جگہ نہیں تو کوئی بات نہیں جیلوں میں ہی ایک دو بیرکس مختص کی جا سکتی ہیں۔ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

آفتاب شاہ

ہمارے ہاتھوں پہ دل بنانا بنا کے دل کو لگانا دل پر
اسی پہ ہنسنا اسی پہ رونا اسی سے ہستی کی شام لینا
نظر ملانا مجھے ستانا پلٹ کے تیرا نظر چرانا
نظر چرا کے دوبارہ تکنا دوبارہ تک کے سلام لینا
سلام لے کر سمٹتے رہنا دبا کے ہاتھوں پہ غور کرنا
جھکا کے پلکیں قریب آنا حیا سے مجھ کو وہ تھام لینا
ستا کے مجھکو ہرا کے مجھکو بدن سے میرے چپکتے جانا
نشے میں رہنا بھٹکتے پھرنا لبوں سے میرے وہ جام لینا
خطوط لکھنا تو جان لکھنا کبھی کبھی تو جہان لکھنا
تمام حرفوں پہ لب لگا کر خوشی میں تیرا وہ نام لینا
چھتوں پہ چڑھنا بہانہ کر کے وہاں سے چھپ چھپ کے تم کو تکنا
صدائیں دینا بلائیں لینا خرد سے کوئی نہ کام لینا
گلی میں جانا تمہاری خاطر دکان داروں سے گپ لگانا
سبھی کو کہنا خیال رکھنا نہ تم سے کوئی بھی دام لینا

مدارس کے علماء کا مبلغ علم

رشید یوسفزئی

اسلامی دنیا میں جس بندے کو جتنی زیادہ لایعنی اور واہیات باتیں معلوم ہوا سے عالم، فقیہ، شیخ الاسلام، ایت اللہ، مجتہد اور مفکر اسلام مانا جاتا ہے۔ چند بڑے بڑے علماء و مجتہدین کے علم اور اجتہاد کے نمونے عرض ہیں۔ تجزیہ اور نتیجہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ کی محل وقوع اکوڑہ خٹک کے مضافات میں زڑہ مینہ ایک جگہ ہے۔ وہاں ایک وزیرستانی مفتی صاحب فقہ کے لحاظ سے امتیازی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مفتی صاب درس نظامی کی نصاب میں شامل فقہ حنفی کی ایک کتاب 'نورالایضاح' کی درس کیلئے مشہور تھے۔ والد نے 'نورالایضاح' کی تخصیص کیلئے ان کے پاس بھیجا۔ درس میں شامل ہوا۔ طلباء بڑے جذباتی انداز میں مفتی صاب کے علمی وسعت کے تذکرے کرتے تھے۔ مجھ سے کئی اسباق فوت چکے تھے۔ جب درس میں شامل ہوگیا تو اس وقت زیر تدریس مسلہ پاخانے کا تھا۔ حضرت عام کپڑے کے بڑی بڑی لٹکتے جیبوں والی جیکٹ پہنے، آنکھیں بند کرکے اور منہ میں نسوار کا ایک بڑا گولہ رکھے پاخانے کی اصول وآداب سے متعلق نورالایضاح کی متن پر درس دیتے ہوئے فرما رہے تھے۔ سردیوں میں خصئے سکڑ کر اوپر چلے جاتے ہیں لہذا پاخانے کی بعد مٹی کے ڈھیلے سے مقعد آگے سے صاف کرنا ہوتا ہے۔ گرمیوں میں انڈے لٹکتے ہیں اسی لئے پیچھے سے صاف کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ایک پر جلال انداز سے پاخانے کا علم بانٹتے رہتے اور طلباء پر ان کا ایک علمی رعب حاوی ہوتا۔ چند اسباق کی بعد راقم کو معلوم ہوا کہ حضرت کا علمی چرچا اسی پاخانے کے امور پر علمی دسترس سے ہے۔

گذشتہ گرمیوں میں نماز جمعہ کو خانہ کعبہ میں بیٹھا تھا۔ شعبان کا مہینہ تھا اور ہجوم سے پاوں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اسلامی دنیا کے دل اور مقدس ترین مرکز کے سربراہ امام کعبہ خطبہ جمعہ میں قرانی آیت **او جاء احد منکم من الغائط**، اور تم میں سے کوئی بڑے پیشاب سے ہوائے۔ کی تفسیر اور متعلقہ مسائل پر خطبہ دے رہا تھا۔ لاکھوں سامعین میں شاید ایک فی صد عربی واقف ہوں گے... مجھے مفتی صاب یاد آئے۔ میں نے پچیس سال کا عرصہ اور ہزاروں میل کا فاصلہ طے کیا۔ اسلامی علم وہی پاخانے پر رکھا ہوا ہے مطالعہ پاکستان میں تحریک پاکستان میں علماء کا کردار لازمی حصہ ہوتی ہے۔ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کا تفخرانہ تذکرہ کے جی سے لے کر سی ایس ایس تک طلبہ سے رٹوایا جاتا ہے۔

مجدد الف ثانی کا علمی سرمایہ ان کے خطوط پر مشتمل دو جلدی کتاب مکتوبات امام ربانی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں، عیسی علیہ السلام نے افلاطون سے ملاقات کی اور افلاطون کو توحید کی دعوت دی! افلاطون، عیسی علیہ السلام سے 300 سے زیادہ سال قبل فلسطین سے ہزاروں میل دور یونان میں گزرے تھے۔ مگر تحریک پاکستان کے مجدد کو تاریخی واقعیتوں سے کیا سروکار۔ اتنی جہالت کے باوجود مجدد بنائے گئے۔ اگر عام مولوی ہوتے تو کیا معیار ہوتا! شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور فکر پر پاکستان میں کیا لبرل کیا دینی سب کا ایمان ہے۔ پتہ نہیں ان کا کیا کارنامہ تھا۔ ابدالی کو لکھا گیا خط بھی تو تاریخ نے جھوٹ ثابت کیا۔ خود شاہ ولی کا دعوی ہے، ۔ انا قائم بالزمان.※ میں وقت کا عظیم ترین مجتہد ہو۔ کسی مجتہد کیلئے اپنے حالات حاضرہ سے مکمل واقفیت لازم ہے۔ حضرت اٹھارویں صدی کے یورپ کے نام تک سے واقف نہ تھے وہاں کے سائنسی اور کفری انقلابات کے علم کا کیا سوال؟۔ (اگر ابدالی کو خط والا افسانہ حقیقت مانا جائے تو کیا وقت کا مجتہد ایسا غلطی کرسکتا تھا؟۔)

شاہ صاب کے فکر و فلسفہ اور اجتہاد کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا ہوں۔ ہیچ بدست نہ آمد۔ ہاں شیرخوار بچی اور بچے کے پیشاب پر دقیق مسائل کا استخراج شاید صاب کا اوریجنل اجتہاد ہے۔ اشرف علی تھانوی صاب پاک و ہند کے مسلمانوں کے متفقہ۔ حکیم الامت تھے۔ ان کے اجتہادات میں دال پکانے، صابن تیار کرنے، حلوہ کے مختلف اقسام بنانے کے اجتہادات شامل ہیں۔ حکیم الامت صاب کے کچھ علمی اجتہادات واقعی قابل ستائش ہیں۔ دو نمونے عرض ہیں: مشت زنی اپنے ہاتھ سے حرام ہے مگر بیوی کے ہاتھ سے مکمل جائز ہے۔ دوم، اور یہ اجتہادی اور جینئس کی کمال ہے کہ اگر کسی نے پاخانے میں انگلی گندی کی اور وہ انگلی پھر منہ میں داخل کیا تو انگلی صاف ہوگئی۔ (کوئی حضرت سے استفسار کرتا کہ فتوی کفر اور توہین حکیم الامت سے امان پاؤں تو عرض ہے کہ انگلی تو پاکیزہ ہوگئی مگر منہ کا کیا بنا؟)۔ ایک جگہ فتوی دیا ہے کہ اگر کسی نے نابالغ بچی سے مباشرت کی تو بچی پر غسل واجب نہیں مگر عادت ڈالنے کیلئے بہتر ہے...! ایسے تعلیمات سکھانے کے بعد پھر فریاد معاشرہ میں بچیوں پر جنسی تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ علم اور علماء کے یہ معیارات حال اور ماضی قریب کے علماء اور درس نظامی سے مخصوص بات

نہیں۔اسلام میں علم یہی پاخانہ والے مسائل ہیں اور عالم صرف وہ جو پگڑی ڈاڑھی کیساتھ انہیں مسائل کو جانتا ہواور جو جتنا زیادہ ان مسائل پر عبور رکھتا ہو اتنا زیادہ بڑا عالم، مفتی، مجتھد، امام اور فقیہ ہوگا اور ان کی مرتبے اور شان میں معمولی گستاخی اور توہین اپ کو چشم زدن میں واصل جہنم کرسکتی ہے۔

امام تقی الدین السبکی نے طبقات شافعیہ میں اور ایک جگہ المناقب الامام شافعی میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ایک بار امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مہمان تھے.امام احمد بن حنبل کی ایک چھوٹی بیٹی اپنی والد کی اس مہمان کی انتہائی عزت وتکریم پر متحیر تھی.مہمان رات کو سوئے۔ امام احمد تہجد کیلئے اٹھے،عبادات ووظائف کیے۔مگر مہمان سوتے رہے. بیٹی صاحبہ کی حیرت میں اوراضافہ ہوا کہ یہ مہمان نہ تہجد پڑا، نہ رات کی کوئی اور عبادت کی پھر بھی میرے والدان کی اتنی تعظیم کرتے ہیں۔صبح جب دونوں امام اپس میں بیٹھ گئے تو امام شافعی نے فرمایا کہ رات کوفلاں آیت کریمہ سے میں نے ان 107 (اور ایک روایت میں 120) مسائل کا استنباط کیا ہے۔امام احمد بن حنبل کی بیٹی کو تب سمجھ آیا کہ ان کی والد اس مہمان کی کیوں اتنی تعظیم کرتے تھے۔یہ واقعہ اسلامی لٹریچر میں بڑی فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔

میں امام شافعی رحمہ اللہ کی عظمت کا دل سے معترف ہوں مگر جو مسائل انہوں مستنبط کئے ان کا امت مسلمہ کو ہزار سال میں شاید ہی کوئی ضرورت ائی ہو۔مثلاً۔اگر کسی نے اپنی بیوی کی مقعد میں تیل کے تین قطرے ڈالے تو کیا بیوی کی وضوٹوٹ جائیگی...اگر کسی نے دوران نماز بیوی سے بوسہ لیا اور اس کا ذکر منتشر تھا اور بیوی کے دبر سے لگ گئی تو کیا نماز ٹوٹ گئی اور وضو دوبارہ ہوگا کہ نہیں...وغیرہ وغیرہ۔انسان سیکھتا ہے سوالات اٹھانے سے مذہبی امور میں سوال کی اجازت قطعاً نہیں اسی لئے مدارس میں سوال کرنے کا فن اور کلچر کا وجود نہیں.تاہم مدارس میں اگر شاذونادر کوئی سوال کرے تو ان کی نوعیت بھی عجیب وغریب ہوتی ہے.راقم مدرسہ امدادالعلوم میں شیخ حسن جان کے دورہ حدیث میں بیٹھا تھا۔شیخ صاب مرحوم کافی وسیع الظرف تھے۔لوگ کاغذ کے چٹ بھیج کر سوال کرتے تھے.ایک دن ایک طالب علم نے Oral Sex بارے سوال بھیجا جس کے الفاظ غضب کے ادبی تھے۔سوال تھا:ھل یجوز فی الفم ؟ کیا منہ میں جائز ہے؟۔

مدراس میں منیۃ المصلی ،قدری،نورالایضاح، کنزالدقائق، وقایہ وغیرہ کے یہی پاخانے اور جنسیات کے مسائل سیکھ کر اپ کے معزز علماء مینوفیچر ہو کے باہر اتے ہیں.جن کی اشارہ آبرو پر مجھ جیسے ملحد قابل گردن زنی قرار دیئے جاتے ہیں. یہ علماء جو مقدس زہر پھیلا کر معاشرے انسانوں کیلئے جہنم بناتے ہیں اور جنہوں اج پورے سماج کو یرغمال کیا ہے.جو بندہ ان واہیات میں جتنا گر جائے اتنا زیادہ عزت شہرت دولت کمالیتا ہے. بلکہ آپ ان کے مناقب وفضائل کے ترانے گا کر خود بھی عالم بن سکتے ہیں. پھر اب کے ایک اعلان پر دھرنے جلوس کیا سارا جہان زیروزبر ہوگا.ایک منظم اور مشترک تبلیغ سے انہوں نے معاشرے کی ذہن سازی ایسی کی ہے کہ یو جو کرے جو نہیں ٹھیک بلکہ عین موجب ثواب ہے. اپ ان کی زہریلے خرافات سے سرمو اختلاف کریں تو بڑے بڑے تعلیم یافتہ اپ کو منہ پر ماریں گے کہ یہ عالم ہیں اور ان کو حق حاصل ہے۔اسی سٹیٹس کو کو برقرار رکھنے کیلئے اگر کوئی مدراس میں اصلاح کی بات کرے تو یہ زمین اسمان سر پر اٹھاتے ہیں کہ یہ یہود وامریکہ کی ایجنڈا یہاں مسلط کر رہا ہے۔صدیوں بعد پیدا ہونے والے عالم اسلام کے واحد لائق مطالعہ عالم ھنگری کے مسلمان سکالر، سیاست دان، جاسوس، ڈپلومیٹ اور محقق پروفیسر عبدالکریم جرمانوس نے ایک جگہ لکھا ہے ۔ مسلمانوں میں عالم، امام، مجتھد، شیخ الاسلام، شیخ القران والحدیث اور ایت اللہ پیدا کرنے کے کارخانے لگے ہیں۔کوئی ایک سائنسدان، ایک نیوٹن، گلیلیو، ایڈیسن پیدا نہیں ہوا.ساری اسلامی دنیا میں سردرد کی گولی اور سینے کی سوئی ایجاد کرنے والا نہیں آیا۔جب اسلامی دنیا میں علم ہی پاخانے کے اداب اور مسائل تک محدود ہے تو وہاں سائنسدان پیدا نہیں ہوتے بلکہ زندہ جلائے جاتے ہیں۔

نیا سال مبارک

مبشر شہزاد، گلاسگو، سکاٹ لینڈ

کہتے ہیں سبھی رنگ نیا سال مبارک
خوشیوں کا بنے سنگ نیا سال مبارک

اک رات میں لگتا ہے کہ بدلا ہے زمانہ
ہے سب کا نیا ڈھنگ نیا سال مبارک

ہوں پھر سے درِ دل کے سبھی نقش منور
ہر دل سے مٹے زنگ نیا سال مبارک

لمحات میں نفرت کا کوئی رنگ نہ جھلکے
الفت کا ہو آہنگ نیا سال مبارک

بدلے گا رفیقو یہ سماں دیکھتے رہنا
ہے وقت کا نیرنگ نیا سال مبارک

انسان کا دل جیت لے گر دوسرا انساں
رہ جائے فلک دنگ نیا سال مبارک

رنجش نہ کدورت ہو مبشر کو کسی سے
سب ختم کریں جنگ نیا سال مبارک

جب بات احمدی برادری کی ہو تو خاموشی کیوں طاری ہو جاتی ہے؟

24 ستمبر 2022 ادارۂ تجزیات ۔ شعیب عادل

میڈیا اطلاعات کے مطابق چند دن قبل اٹک میں ایک سکول نے مذہبی بنیادوں پر چار احمدی بچوں کا داخلہ ختم کر کے انہیں ادارے سے نکال دیا۔ 24 جولائی 1992 جو نوٹیفکیشن جاری کیا گیا اس میں واضح طور پہ باقاعدہ ان کے مذہب کو وجہ بتایا گیا۔ احمدی برادری کے حوالے سے پاکستان میں وقتاً فوقتاً خبریں آتی رہتی ہیں جن میں اسی قسم کے مسائل نمایاں ہوتے ہیں کہ ان کے کسی فرد کو نشانہ بنایا گیا ہوتا ہے۔ ایسی خبریں اب معمول بن گئی ہیں اور ریاست و سماج، دونوں کی طرف سے ان خبروں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ اب لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس طرح کے واقعات کا دفاع بھی کرتی پائی جاتی ہے۔ سول سائٹی کے کچھ افراد اور ادارے اس پر شور مچاتے ہیں، مگر ایسے مسائل رکتے نہیں ہیں اور چند دن بعد کوئی نیا واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔ احمدی برادری کا مسئلہ اس حد تک حساسیت کا حامل ہو چکا ہے کہ لوگ اس طبقے کے شہری حقوق بارے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے بنیادی آئینی حقوق ہیں۔ اقلیتی حلقے میں سے یہ وہ طبقہ ہے جس کے خلاف ملک کے ہر بڑے مسلک میں باقاعدہ الگ سے تحریکیں اور جماعتیں موجود ہیں جو اسی مدعے پر کام کرتی ہیں۔ 2017ء کے بعد سے احمدیوں کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوئی ہیں اور وقت کے ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس ماحول کی تشکیل میں حالیہ برسوں میں سیاسی جماعتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ سماجی نفسیات کو اس حد تک ان کے خلاف بنا دیا گیا ہے کہ اب ایسے واقعات کے بعد بھی خود ریاست ان کے شہری حقوق پر ٹھوس پیغام دینے اور ان کے تحفظ کے لیے کوئی قدم اٹھانے سے کتراتی ہے۔ لیکن کیا یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان مسائل پر خاموشی مذہب کے نام پر خوف کی فضا کو مزید گھٹن زدہ بناتی جائے گی۔ ریاست کو ادراک کرنا ہوگا کہ مذہبی بنیادوں پر بڑھتی یہ گھٹن کسی کے لیے بھی سود مند نہیں ہوگی۔ احمدیوں کے شہری و مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے ان تحریکوں اور جماعتوں کے کردار پر نظر ثانی کرنی ہوگی جو اس مسئلے کو ہوا دیتی ہیں اور لوگوں کے جذبات کو اس برادری کے خلاف ابھارتی ہیں۔ اس کے لیے علما سے بھی مطالبہ کیا جائے کہ وہ عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کریں اور انہیں تعلیم دیں کہ جو حقوق انہیں آئین میں دیے گئے ان سے کسی طور ان کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تعلیمی ادارے ہی اقلیتی برادریوں کے لیے ایسا منفی رویہ اختیار کریں گے تو پھر سماج میں کس ادارے سے توقعات رہ جاتی ہیں۔ یہ وقت ہے کہ سماج کے ہوش مند عناصر اور ریاست کی جانب سے کھل کر اس مسئلے پر بات کی جائے اور اس طبقے کے حق کے لیے آواز اٹھائی جائے۔

یورپ کی جوان لڑکیوں پر جن کیوں نہیں آتے؟

ایک تو جن زیادہ تر مسلمان ہوتے ہیں انہیں غیر مذاہب والے پسند نہیں۔ دوسرا یورپ میں ہر جوان لڑکی کا بوائے فرینڈ ہوتا ہے اس لیے لڑکی اکیلی نہیں ملتی۔ پھر لڑکیاں رات کسی درخت کے نیچے اکیلے بسر نہیں کرتیں اس طرح جن کو موقع نہیں ملتا۔ دوسرا پاکستان کی طرح لڑکیاں نہا کر بال کھول کر نہیں پھرتیں۔ یورپ کی تمام لڑکیاں کام کرتی ہیں اس لیے نہا کر ڈرائر سے فوری بال خشک کر کے باندھ لیتی ہیں اور کام پر چلی جاتی ہیں۔ پھر یورپ میں لڑکیاں منت مرادیں وغیرہ مانگنے مزاروں پر نہیں جاتیں۔ جہاں اکثر مجاوروں کا جنوں کی صورت میں راج ہوتا ہے اس لیے جنوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ دوسرا یورپ میں رات کو ہر جگہ بلب جلتے ہیں۔ گھپ اندھیرے کا تصور بھی نہیں ہے۔ روشنی سے زیادہ تر جن دور بھاگتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی جن کسی جوان لڑکی پر آ بھی جائے تو لڑکی پادری کے پاس جانے کی بجائے ڈاکٹر سے رجوع کرتی ہے اور ڈاکٹر بہت جلدی جن کو دور کر دیتا ہے۔ چونکہ یورپ میں جن حضرات کو جوان لڑکیوں پر آنے کا موقع نہیں ملتا اس لیے جنوں کی اکثریت پاکستان اور ہندوستان ہجرت کر چکی ہے۔!!!!

چاروں طرف لوٹ مار ہی لوٹ مار

قاسم عبّاس مسی سگا کینیڈا

پاکستان میں اقتدار پر بیٹھا ہوا ہر فرد قوم کا خزانہ لوٹنے میں مشغول ہے اس کے علاوہ سٹریٹ کرائمز یعنی دن دہاڑے عوام کو لوٹ لینا بھتّہ خوری وغیرہ بھی عروج پر پہنچ گئی ہے کئی حکومتی اداروں کی مالی بیضابتگیوں کی اور لوٹ مار کی خبریں بھی اخباروں کی زینت بن چکی ہے چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے شمالی امریکہ میں تو دینِ اسلام، اللہ تعالیٰ، مسجد کی تعمیر، مسجد کے لئے چندہ، قرآنِ کریم، تعویذ گنڈے، وظیفے، اسمِ اعظم، روحانی علاج، اجتماءِ دُعا وغیرہ کے نام تلے بھی پیسوں کی لوٹ مار کا بازار کافی گرم ہے اس کے علاوہ مساجد اور اسلامی مراکز میں ہوتے غبن اور چندے کے غلط استعمال کی خبریں بھی اخباروں میں اکثر آتی رہتی ہیں اسمِ اعظم، وظیفے، قرآنی دُعائیں، تعویز گنڈے وغیرہ کے نام سے بھی تیسری دنیا میں اور یہاں تک کہ یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی لوٹ مار کا بازار خاصہ گرم ہے اس طرح کمرشل مولوی، نام نہاد عامل، نام نہاد روحانی معالج وغیرہ سب رات دِن لوٹ مار میں لگے ہوے ہیں اور اللہ کے نام کو بیچ کر اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں پاکستان اور شمالی امریکہ کے کئی اُردو اخبار جعلی عاملوں کے تعویز گنڈے اور کالے جادو کے کالے کاروبار کے اشتہاروں سے بھرے ہوتے ہیں اب تو شمالی امریکہ کے کچھ کمونیٹی اخبار چند ڈالر کمانے کے لئے پنڈت اور سادھو مہاراج کے بھی کالے جادو کے کالے کاروبار کے اشتہار شائع کر رہے ہیں نام نہاد اسلامی مارگیج کے نام تلے مارگیج مافیہ، کمرشل مولوی اور چندہ خوامام بھی اسے حلال قرار دے کر ضعیف الاعتقاد مسلمانوں سے خوب مال بنا کرا پنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ اس طرح ہر فرد حرام کے پیسوں کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہے اور چاروں طرف پیسوں کی لوٹ مار ہی لوٹ مار کا نظارہ ہے ابھی حال ہی میں کینیڈا کے ایک پاکستانی اخبار میں ایک چرچ کا اشتہار پڑھا، جسے پڑھ کر پتہ چلا کہ اب تو مسیحی بھی یسوع مسیح کے نام کو پیسوں کے عوض بیچ رہے ہیں یہ سب چکّر چندے کا ہے۔ اشتہار میں لکھا ہے کہ سروس یعنی عبادت کے بعد یہ معجزے ہوئے ملاحظہ ہو اشتہار میں لکھے ہوئے معجزے (ایڈیٹر صاحب کی اطلاع کے لئے اشتہار کا عکس اس مقالے کے ساتھ بھیج رہا ہوں) عبادت کے بعد Service1۔ ایک خاتون کو تحفے میں کار ملی

2۔ ایک صاحب بیسمینٹ سے نئے گھر میں منتقل ہو گئے۔

3۔ ایک صاحب کے گھٹنوں کی سرجری کینسل ہو گئی۔

4۔ ایک صاحب کا 3 سال پرانا پیٹ کا درد ٹھیک ہو گیا۔

5۔ ایک صاحب کا 5 سال پرانا گھٹنوں کا درد ٹھیک ہو گیا۔

.6۔ پروردگار نے بسترِ مرگ پر پڑی ایک خاتون کی زندگی میں 10 سال کا اضافہ کر دیا۔

7۔ ایک صاحب کی ترقی سُپر وائزر کے طور پر ہو گئی۔

8۔ ایک صاحب پیدائشی استھما کی بیماری سے ٹھیک ہو گئے۔

9۔ ایک صاحب سرجری کے بعد ہوئے کمر کے درد سے ٹھیک ہو گئے۔

10۔ ایک صاحب کا امیگریشن کا مسئلہ حل ہو گیا اور ان کو پی آر کارڈ مل گیا

11 ایک صاحب کا کئی سالوں کا ڈیپریشن ختم ہو گیا اور وہ دوبارہ جاب پر لگ گئے۔

12۔ اس کے علاوہ بہت سارے معجزے ہوئے۔

آیئے اور آپ کا معجزہ یسوع مسیح کے نام سے حاصل کریں۔

اگر اشتہار میں کئے گئے یہ دعوے سچے ہیں تو دنیا میں چرچ کی بدولت دنیا میں ایک بھی مریض نہ ہوتا، ہسپتالوں کا وجود ختم ہو جاتا، کوئی بے روزگار نہ رہتا، کسی کو امیگریشن کا مسئلہ نہ ہوتا، کوئی بے گھر نہ رہتا اور دنیا میں ہی جنّت جیسا ماحول ہوتا یہ سب چکّر چندے کا یعنی ڈالر بٹورنے کا ہے بھارت میں تیرومالا مندر میں بھگوان یعنی پتھّر کی مورتیوں کے درشن کے لئے لمبی قطاروں سے بچنے کے لئے اسپیشل داخلے کی ٹکٹ کے لئے بھاری قیمت رکھی گئی ہے اور اس کے لئے ایڈوانس بکنگ کرانی ہوتی ہے، جو آن لائن بھی کرائی جا سکتی ہے۔ یہی بھگوان کے نام سے کاروبار ہوتا ہے، ہر جگہ پیسہ بولتا ہے ، حج اور عمرہ بھی ڈیلکس، گولڈن، پلیٹنیم، وی آئی پی وغیرہ کے لیبل کے ساتھ بیچے جاتے ہیں دورِ حاضر میں مذہب، دھرم، ریلیجن اربوں ڈالر کی صنعت بن گئے ہیں اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو قرآنی آیت۔ اے ایمان والو! (اہلِ کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

***

تاریخ کے جھروکوں سے

فراز حمید خاں

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

یہ 5 جون 1992ء کا دن تھا، ٹنڈو بہاول سندھ کے گاؤں میں ایک حاضر سروس میجر ارشد جمیل نے پاک فوج کے دستے کے ساتھ چھاپہ مار کر 9 کسانوں کو گاڑیوں میں بٹھایا اور جامشورو کے نزدیک دریائے سندھ کے کنارے لے جا کر گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ فوج کے ان افسران نے الزام لگایا کہ یہ افراد دہشت گرد تھے اور ان کا تعلق بھارت کے ادارے ریسرچ اینڈ اینالائسس ونگ سے تھا۔ لاشیں گاؤں آئیں تو نہ صرف گاؤں بلکہ پورے علاقے میں کہرام مچ گیا ہر ماں اپنے بیٹے کی لاش پر ماتم کر رہی تھی ان کے بین دل دہلا رہے تھے، ان ماؤں میں ایک 72 سال کی بوڑھی عورت علاوہ داماد حاجی اکرم کی لاش پڑی تھی مگر وہ خاموش تھی، عورتیں اسے بین کرنے پر اُکسا رہی تھیں، مائی جندو سکتے کے عالم میں بیٹوں اور داماد کے سفید ہو گئے چہرے دیکھے جا رہی تھی۔ ہر شخص کہہ رہا تھا کہ خاموشی سے میتیں دفنا دی جائیں قاتل بہت طاقتور تھے ان غریب ہاریوں کا ایسی طاقت والوں سے کیا مقابلہ، مائی جندو کو بار بار رونے کے لیے کہا گیا تو اس نے وحشت ناک نگاہوں سے میتوں کی طرف دیکھا اور بولی بس! مائی جندو ایک ہی بار روئے گی۔ جب بیٹوں کے قاتل کو پھانسی کے پھندے میں لٹکتا دیکھے گی سب جانتے تھے ایسا ممکن نہیں تھا مگر آخر لوگ خاموش ہو گئے، مائی جندو کی بیٹیاں رُلا رہی تھیں مگر مائی جندو ساکت بیٹھی قتل ہونے والوں کو تکے جا رہی تھی۔

جنازے اُٹھے تو مائی جندو نے سر کی چادر کمر سے باندھی سیدھی کھڑی ہوئی اور لہو ہوتے جگر کے ساتھ بیٹوں کو الوداع کیا مسئلہ یہ تھا کہ یہ ٹنڈو بہاول اندرون سندھ کا ایک دور دراز گاؤں تھا اور تب دریائے سندھ کے اس کنارے پر قتل ہونیوالوں کی ویڈیو بنانے کیلیے موبائل کیمرہ بھی نہیں آیا تھا، ملک اور سندھ بھر میں خبر چلی کہ دشمن کے ایجنٹ مار کر ملک کو بڑے نقصان سے بچا لیا گیا۔ جس نے پڑھا سنا اس نے شکر کیا جب سارا ملک شکرانہ ادا کر رہا تھا تب مائی جندو نے احتجاجی چیخ ماری۔ اس چیخ نے پرنٹ میڈیا کی سماعتیں چیر کے رکھ دیں۔ مائی جندو بوڑھی تھی جسمانی لحاظ سے کمزور مگر وہ 3 مقتولوں کی ماں تھی اسنے طاقت کے مراکز سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنی 2 بیٹیوں کو ساتھ لیکر قاتلوں کیخلاف اعلان جنگ کر دیا سوشل میڈیا کی غیر موجودگی میں یہ جنگ آسان نہ تھی مگر نقارے بج چکے تھے کشتیاں جل چکی تھیں اور واپسی محال تھی، اخباروں اور صحافیوں کے ہمراہ مائی جندو نے اس چیخ کو طاقتی مراکز کے سینوں میں گھونپ دیا۔

پہلی جھڑپ ختم ہوئی اور گرد چھٹی تو معلوم ہوا کہ قتل ہونے والے دہشت گرد نہ تھے بلکہ میجر ارشد جمیل کا انکے ساتھ زرعی زمین کا جھگڑا تھا، جسکی سزا میں انہیں قتل ہونا پڑا تھا۔ یہ حقائق پہلے مقامی پھر اردو و انگریزی کے قومی اور بالآخر عالمی ذرائع ابلاغ میں شائع ہوئے تو 'سانحہ ٹنڈو بہاول' ایسی قومی شرمندگی کا باعث بنا جس کا اعتراف اُس وقت کے وزیراعظم نواز شریف اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز کو اعلانیہ طور پر کرنا پڑا کو جنرل آصف نواز اور نواز شریف نے ملاقات کی اور جنرل آصف نواز نے میجر ارشد جمیل کا کورٹ مارشل کرنے کا حکم دے دیا، 29 اکتوبر کو فیلڈ جنرل کورٹ مارشل نے میجر ارشد جمیل کو سزائے موت اور 13 فوجی اہلکاروں کو عمر قید کی سزا سنائی میجر نے پاک فوج کے سپہ سالار کو رحم کی اپیل کی جو 14 ستمبر 1993 کو مسترد ہوئی، اسکے بعد رحم کی اپیل صدر فاروق لغاری سے کی گئی جو 31 جولائی 1995 کو مسترد تو کر دی گئی لیکن سزا پر عمل درآمد روک دیا گیا، اس کے بعد میجر ارشد جمیل کے بھائی کی اپیل پر سپریم کورٹ کے جج سعید الزمان صدیقی نے حکم امتناع جاری کیا اور سزا روک دی سزائے موت پر عمل نہ ہونے پر 11 ستمبر 1996ء کو مائی جندو پھر میدان میں نکلی۔ اسکی 2 بیٹیوں نے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے جسموں پر تیل چھڑک کر خود کو آگ لگا لی، انکو نازک حالت میں ہسپتال لیجایا گیا مگر وہ بچ نہ سکیں پورے ملک میں ایک بار پھر کہرام مچ گیا، بالآخر 28 اکتوبر 1996ء کو طاقت کی دیواریں مائی جندو کے مسلسل دھکوں کے سامنے ڈھیر ہو گئیں۔

یہ حیدرآباد سنٹرل جیل تھی جب مائی جندو کو پھانسی گھاٹ پر لایا گیا، سامنے تختہ دار پر اس کے گاؤں کے 9 بیٹوں کا قاتل میجر ارشد جمیل کھڑا تھا۔ دار کا تختہ کھینچا گیا تو قاتل میجر ارشد جمیل کا جسم دار پر جھول گیا عین اسی وقت سامنے کھڑی مائی جندو کی بوڑھی مگر زور آور آنکھ سے ایک اشک نکلا اور اس کے رخسار کی جھریوں میں تحلیل ہو گیا۔ مائی جندو تمہیں دنیا کے تمام کمزور اور مظلوم سلام کرتے ہیں مائی جندو نے اپنے خاندان کے 9 افراد کے قتل کا کیس ادارے کے بعض افراد کے خلاف لڑا اور کیس جیت گئی، آج ارشد شریف کی ماں نے بھی ارشد شریف کے قتل میں جنرل ریٹائرڈ باجوہ سمیت اہم فوجی عہدیداروں کو نامزد کیا ہے، قوم کو اس ماں کے ساتھ کھڑا ہونا ہے تاکہ وہ اپنے شہید بیٹے کیلیے انصاف حاصل کر سکے۔

آفتابیات

اندرونی اور داخلی خوبصورتی کا فلسفہ تب تک درست ہے جب تک لوگوں کی حقیرانہ نگاہ حقیقت کے در نہ کھول دے۔انسان کا اچھا ہونا وہ کتابی بات ہے جو معاشرے میں بہت کم نظر آتی ہے لوگ تو نظر آتے ہیں لیکن کوئی بھی اچھا بننا نہیں چاہتا۔محبت کے لیے اندھا ہونا شرط ہے لیکن اندھے کے لیے محبت جاگ جانا آج بھی معاشرے میں ناپید ہے۔جسمانی اعضاء کا حسن سے کوئی تعلق نہیں یہ فقرہ وہ لوگ بولتے ہیں جن کی آنکھ اور دل رہ چلتے لوگوں کا ایکسرے اس طرح کرتے ہیں کہ کپڑوں میں بھی لوگ برہنہ نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔اگر انسان سب برابر ہیں تو امارت کا جوتا غربت کے ماتھے پر نشان کیسے ثبت کردیتا ہے؟علم سے بڑی دولت نہیں لیکن بنک میں پڑی دولت بہت سے علم والوں کو اپنے پرس میں رکھ کر چلتی ہے۔کتابی باتیں درست ہوتی ہیں لیکن تب تک جب تک حقیقت کی آنکھ روشن نہ ہوجائے۔

❁ کمینے اور شریف میں وہ ہی فرق ہے جو جوہڑ کے گندے پانی اور چشمے کے شفاف پانی میں ہے۔کمینہ احسان کا بدلہ ہمیشہ بدتمیزی، جہل، شرارت اور فساد سے دیتا ہے۔وہ جس تھالی میں کھاتا ہے اس کی کھرچن ختم ہونے سے پہلے ہی غیروں کے سامنے غیبت اور گلوں شکووں کے انبار لگا دیتا ہے جبکہ شریف احسان کا بدلہ یوں چکاتا ہے کہ وہ خود کو آپ کی غلامی میں دے دیتا ہے اور احسان کو زندگی کا وصف بنا لیتا ہے۔اسی لیے زندگی کمینے لوگوں سے بہتر ہو تو یہ بھی ایک احسان ہوگا۔

❁ بعض لوگ تخیلاتی زندگی میں خود کو اس قدر ڈبو لیتے ہیں کہ رومان اور تخیل کا ملاپ انہیں حقیقت سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔خواب کی دنیا میں رنگین آنچل جب لہراتے ہیں تو دل کے آسمان پر قوس وقزح کے نقوش کسی کے عکسِ تخیل کو زندہ کردیتے ہیں کسی سائے کے قہقہوں کی آواز، قدموں کی آہٹ، بدن کی خوشبو، پیراہن کی سرسراہٹ، آنکھوں کی چمک، باتوں کا اتار چڑھاؤ، چہرے کا نور، غصے کی شعائیں اور محبت کے ان گنت لمحات زندہ جاوید ہوکر وجودِ یار میں ڈھل جاتے ہیں لیکن حقیقت کا تماچہ جب تخیل کے وجدان پر پڑتا ہے تو رومان کا نشہ زمانے کے پاؤں میں بین کرتا نظر آتا ہے۔تب احساس کے آنگن میں سوائے یادوں کے پرندوں کے کسی کا گزر نہیں ہوتا۔

❁ ہمارے معاشرے میں ہر گروہ سچ کا علم اٹھائے دوسروں کو درست راہ پر لانے کے لیے سرگرم ہے۔ہر گروہ کی منطق، دلیل اور تاویل اس لیے بھی زوردار ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک سچ کا سرچشمہ انہیں کے وجود سے پھوٹتا ہے۔یہ چلن زندگی کے ہر شعبے میں سرائیت کرتا چلا جارہا ہے جس سے برداشت اور دوسروں کے نکتہ نظر کو سمجھنے کی حس ختم ہوتی جارہی ہے۔یہاں تک کہ اب تعلق کی بنیاد بھی کسی فرد کا مسلک، مذہب، پیشہ، رنگ شکل، نسل، صوبہ، علاقہ اور پیسہ دیکھ کر رکھی جاتی ہے۔یہ گروہی اور مسلکی تقسیم جب قومیت اور واقعیت پروار کرتی ہے تو ذہنی طور پر تقسیم لوگ حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے اپنے اپنے خود ساختہ بتوں کے پاؤں میں گر جاتے ہیں۔جبکہ گرنا ان کو حقیقت کے قدموں میں چاہیے۔

❁ خودکشی کا لفظ دنیا سے بیزاری اور ناامیدی کی پیداوار ہے۔یہ ناامیدی اصل میں خدا سے انکار کا رویہ بھی ہے اور اپنی کم عقلی اور کمتر ہونے کا احساس بھی ہے۔یہ کم عقلی کبھی کبھی دوسروں کی شخصیات کو مہان کرکے دکھاتی ہے اور بعض اوقات اپنی غلطی کو غلطان کرکے پیش کرتی ہے۔خودکشی اس انتہا پسندی کا نتیجہ ہے جو کسی بھی فریق کو دنیا سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کردیتی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ دنیا میں خودکشی کرنے والے زیادہ تر مرد ہوتے ہیں شاید عورت برداشت کے اصول کو زندگی کے ہر حصے میں مرد سے زیادہ سمجھتی ہے۔

❁ اصل بات دوسروں کے نقطہ نگاہ کو سمجھنا ہے نہ کہ کسی بھی بات کو اپنی نظر کے پیمانے پر پرکھنے کی ہے ایک کی کامیابی ضروری نہیں دوسرے کی جیت ہو اور ایک کی خوشی بعض اوقات دوسرے کا ماتم ہوتا ہے زندگی اسی زاویے کو سمجھنے کا نام ہے وہ لوگ جو تعصب کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کو سچ بھی جھوٹ کے پردے میں لپٹا نظر آتا ہے ایسے لوگ خود کو فرشتہ اور باقیوں کو شیطان سمجھتے ہی نہیں بلکہ پرچار بھی کرتے ہیں حالانکہ اتنی سی کوشش وہ خود پر کرلیں تو شیطان کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

❁ ہم ذوق افراد کا اکٹھا ہوجانا اور مل کر ایک دوسرے کی بات کو سننا اور سنانا اسی طرح ہے جیسے پانی کے میٹھے چشموں کا باہم میلاپ قدرت کے

حسن کو واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ہم ذوق افراد کی قربت کا رنگ ایسے ہی ہے جیسے قوس وقزح کے دلفریب رنگ آسماں کی قدر و قیمت میں اضافہ کر کے اسے نایاب مناظر میں ڈھال دیتے ہیں ایسا فرد جو خیال کی رعنائیوں سے محبت کی خوشبو محسوس کر سکتا ہو اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ بد ذوق لوگوں کی جماعت کے مقابل میں وہ باذوق انسان بہتر زندگی کی خزاں میں احساسِ لطیف کے پھول کھلانا جانتا ہو۔

❁

حسن دھوکہ ہے کسی آنکھ کی بینائی کا
عشق دریا ہے نگلنے کو جوانی مانگے

حقیقت میں حسن آنکھ کے عدسے کا وہ دھوکہ ہے جو عشق کی چال سے لپٹا ہوا ہے۔عشق جب کسی فرد کی خوبصورتی کو دل میں اُتار دیتا ہے تو اپنے شکار کے لیے راہ ہموار کر لیتا ہے کیونکہ اس کی پیاس کسی کی جوانی کی وہ بین ہے جنہیں سن کر اس کا کلیجہ ٹھنڈا پڑتا ہے۔جب کسی دل والے کا دن رات کا سکون برباد ہو جاتا ہے تو عشق ہجر کے گلے میں بانہیں ڈال کر جیت کی دھمال ڈالتا ہے حسن سمجھتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے معتبر ہے جبکہ اسے یہ نہیں پتہ کہ یہ عشق ہے جو اس کے ذریعے سے کسی کی زندگی برباد کرنے کی آرزو لیے جال بچھا کر بیٹھا ہوا ہے۔

❁ وقعات کا مینار کبھی بھی اچانک زمین بوس نہیں ہوتا بلکہ بے یقینی کی دیمک آہستہ آہستہ تعلق کی گانٹھ کو کمزور کرتی رہتی ہے اور ایک دن جب تعلق کی رسی ڈھیلی پڑ جاتی ہے تو دل کے نہاں خانے میں کوئی بت چپکے سے ٹوٹ جاتا ہے بت کوئی بھی ہو وہ ٹوٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن محبت کے پنچھی جب ایک انسان کو خدا بنا کر پوجا شروع کر دیتے ہیں تو کب خدا ناخدا بن کر کشتی ڈبو دے، پتہ ہی نہیں چلتا یہ احساس تب جا گتا ہے جب جذبوں کے بھنور میں عکسِ جاناں بھی غرقاب ہو جاتا ہے۔

❁ معاشرتی ارتقاء ہر صورت میں جاری وساری رہتا ہے۔اس ارتقاء میں بہت سے عوامل مل کر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔وہ طاقتور عوامل جن میں انقلاب اور جوش کی رمق زیادہ ہو وہ وقتی بھونچال کا سبب بن کر بہت سی ماؤں کی گود اُجاڑ دیتے ہیں۔اس انقلاب اور بھونچال کا سبب وہ نام نہاد ٹھیکدار طبقہ ہوتا ہے جو نتائج سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے۔یہی وجہ ہے ایسی سوچ سے انارکی تو جنم لے سکتی ہے لیکن کبھی بھی حقیقی انقلاب جنم نہیں لے سکتا۔اس مرحلے پر پڑھا لکھا، باشعور اور علمی استعداد کا طبقہ ہمیشہ آواز اُٹھاتا رہتا ہے۔لیکن اگر اہلِ قلم چپ ہوں تو سمجھ جائیں یا تو قلم بک گیا ہے یا پھر قلم جھک گیا ہے۔

❁ کم ظرف انسان ہمیشہ ذاتیات پر اُتر کر حملہ کرتا ہے ایسا فرد اپنی سوچ کے حصار میں اس قدر جکڑا ہوتا ہے کہ اسے اپنے علاوہ دنیا کا ہر باشندہ جہنمی، مجرم، کافر اور بے دین نظر آتا ہے۔اصل میں اس کی سوچ کا محور وہ چند خیالات ہوتے ہیں جو زبردستی ٹھونس کر اس کی شخصیت کی تعمیر کی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے ایسا فرد ہمیشہ دوسروں پر فتویٰ لگانے اور جہنم میں چھوڑ کر آنے کی جستجو میں رہتا ہے۔دردناک بات یہ ہے ایسے افراد کی عائلی اور معاشرتی زندگی ہمیشہ دوسروں کی تکلیف پر خوشی کیا حساس سے گزرتی ہے۔ضرورت نکتہ نظر کو وسیع رکھنے کی ہے کیونکہ دنیا میں ساڑھے سات ارب لوگ ایک سوچ کے حامل کس طرح ہو سکتے ہیں۔

❁ محبت کا وجود فریقِ ثانی کی ذات سے جڑا ہوا ہونا ضروری ہے۔ایک فرد جب انسان سے بت بنتا ہے تو وہ آئڈل سے آئیڈیل کا روپ دھار کر دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو جاتا ہے جہاں پر کسی اور فرد کی جگہ باقی نہیں بچتی۔جب جذبات کی بانسری پر ملن کا سُر بجتا ہے تو تڑپ کا گیت دل کو بیقرار کرتے ہوئے برہنہ پا دریار پر رقص کا طلب گار نظر آتا ہے۔محبت میں چھیڑا گیا گیت ہمیشہ رُوح اور جسم کے بندھن کو باندھ کر گایا جاتا ہے تبھی کسی کا حسین عکس کائنات کی ہر چیز سے انمول اور دلنشین ٹھہرتا ہے۔اسی لیے عکسِ یار ہی زندگی کا محور قرار پاتا ہے۔

❁ کسی کو سمجھنے کا دعویٰ کرنے کی بجائے اس شخص کے ساتھ وقت بسر کرتے چلے جائیں حقیقت سورج کی روشنی کی طرح عیاں ہو جائے گی۔کسی کو اپنی سوچ میں ڈھالنے کی بجائے اپنے عمل سے مسحور کرنے کی کوشش کیجیے اگر کمینہ صفت انسان نہ ہوگا تو غلامی میں چلا آئے گا اور اگر شرارت کی مطیع ہوگا تو مزید ایک سبق سکھا کر اپنے راستے پر روانہ ہو جائے گا۔خود کو لوگوں کے مزاج میں ڈھالنے کا عمل سوائے پچھتاوے کے کچھ عطا نہیں کرتا اس لیے زندگی کو جینے کے اپنے معیارات رکھیں زندگی بھی آپ کی مطیع ہو جائے گی۔

❁❁❁❁❁

معروف شاعر و ادیب اور ایک عظیم دانشور ماہر تعلیم سابق چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور محترم راجہ غالب احمد صاحب وفات پا گئے۔

اے آر خان

اردو کے معروف احمدی شاعر ادیب، دانشور، ماہر تعلیم اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے سابق چیئرمین مکرم راجہ غالب احمد صاحب آف لاہور 4 جون 2016 کو صبح 4 بجے CMH لاہور میں وفات۔ پا گئے۔ محترم راجہ غالب احمد صاحب گجرات شہر میں ۱۷۔اگست ۱۹۲۸ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب تھے۔ آپ نے سنٹرل ماڈل سکول۔ لاہور سے میٹرک، گورنمنٹ کالج لاہور سے فرسٹ کلاس میں سائیکالوجی میں ماسٹرز کیا اور لڑکوں میں اول پوزیشن حاصل کی۔ محترم راجہ غالب احمد صاحب بحیثیت شاعر، دانشور، ماہر تعلیم اور اردو ادب کے ناقد، ملک کے مقتدر علمی اور ادبی حلقوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے اور پہنچانے جاتے رہے۔ ملکی اور بین الاقوامی جرائد میں ان کی نظمیں اور تحریریں اردو اور انگریزی میں بھی شائع ہوتی رہیں۔ ان کا اردو انگریزی ادب و شاعری سے پختہ تعلق نصف صدی سے زائد عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کی کتب تشدد کا تاریخی پس منظر، راحت گمنام اور رخت ہنر نے قبولیت عامہ کی سند حاصل کی۔ ان کے ماسٹر ز کا تحقیقی مقالہ history of circumcision گورنمنٹ کالج لاہور نے کتابی صورت مین شائع کیا تھا۔ آپ نے آغاز میں پاکستان ایئر فورس ملازمت کی۔ محکمہ تعلیم پنجاب کو 1962ء میں جوائن کیا اور تقریباً تمام کلیدی عہدوں پر فائز رہے جن میں سیکرٹری اور کنٹرولر بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ میں ایجوکیشن پنجاب، چیئر مین بورڈ آف سیکنڈری انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سرگودھا، چیئر مین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ اور مشیر تعلیم حکومت پنجاب نمایاں ہیں۔ آپ کے گورنمنٹ کالج لاہور کے کلاس فیلوز اور رفقاء کار میں حنیف رامے، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، منو بھائی، شہزاد احمد، مظفر علی سید، صوفی تبسم، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر اجمل قابل ذکر ہیں۔ آپ کی جماعتی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ جماعت احمدیہ ضلع لاہور میں آپ جنرل سیکرٹری، سیکرٹری تعلیم اور کئی عہدوں پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ کے بعد کئی بار آپ کو بطور ترجمان جماعت احمدیہ پریس کانفرنسیں، پریس ریلیز اور بیانات جاری کرنے، خطوط لکھنے، اخبارات کو وضاحتی بیان دینے کا موقع ملا۔ آپ ۱۹۹۳، تا ۱۹۹۷ ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن، ۱۹۷۴ تا ۱۹۸۵ ڈائریکٹر وقف جدید، اور اس کے علاوہ نائب صدر ناصر فاؤنڈیشن بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔ آمین

صرف 11 منٹ؟؟

شرابی کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ زندگی بہت آسان ہے۔ فقیروں، سادھوؤں یا سنیاسیوں کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ کو اپنا سب کچھ خیرات کر دینے کی خواہش محسوس ہوگی۔ لیڈر کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی تمام پڑھائی بیکار ہے۔ لائف انشورنس ایجنٹ کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ مرنا ہی بہتر ہے۔ تاجروں کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی کمائی بہت کم ہے۔ سائنسدانوں کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ کو اپنی لاعلمی کا احساس ہوگا۔ اچھے اساتذہ کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ دوبارہ طالب علم بننا چاہتے ہیں۔ کسان یا مزدور کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کافی محنت نہیں کر رہے ہیں۔ ایک سپاہی کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی اپنی خدمات اور قربانیاں معمولی ہیں۔ ایک اچھے دوست کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی زندگی جنت ہے! اپنی بیوی کے سامنے 11 منٹ بیٹھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ دنیا کے بیکار ترین انسان ہیں۔

عابدہ شیخ مانچسٹر

کسی کو دل میں محبتوں سے بٹھا کے رکھنا کمال ہے یہ
اک اجنبی کو مکاں میں اپنے بلا کے رکھنا کمال ہے یہ
مری یہ آنکھیں قسم خدا کی بڑی مہذب ہیں باحیا ہیں
پلک میں آنسو کو اپنے سارے چھپا کے رکھنا کمال ہے یہ
ہر ایک جانب ہوائے مغرب کے تند جھونکے بہک رہے ہیں
ہمارا ایسے میں سر پہ آنچل حیا کے رکھنا کمال ہے یہ
یہ دور حاضر رذالتوں کا ہے دور اس میں جنابِ عالی
دلوں میں اپنے شرافتوں کو چھپا کے رکھنا کمال ہے یہ
مسافرت کر رہی ہے جھک کر سلام ان حوصلوں کو تیرے
ردائے مخمل کو راستوں میں بچھا کے رکھنا کمال ہے یہ
محبتوں کو کبھی بھی نفرت مٹا سکی نہ مٹا سکے گی
"ہوا کی زد پر دیا جلانا جلا کے رکھنا کمال ہے یہ"
ہمارا عہدِ جدید ہے یہ نئے تعلق کی بھیڑ ہے اب
یوں عابدہ کا پرانے رشتے بچا کے رکھنا کمال ہے یہ

حلال اور حرام کا تصور

قاسم عباّس میسی ساگا، کینیڈا

حلال اور حرام کے بارے میں آسان زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو چیزیں اللہ نے مسلمانوں کے لئے جائز قرار دی ہیں اسے حلال اور جو چیزیں ناجائز قرار دی ہیں اسے حرام کہا جاتا ہے۔اب حلال اور حرام کو دنیا کے مسلمان اپنی زندگی میں کس طرح لیتے ہیں یہ حقیقت سوچنے کا مواد مہیا کرتی ہے اب ایک فرضی حقیقت بیان کی جاتی ہے جسے لطیفہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔لندن میں ایک عرب مسافر شراب خانے سے شراب پی کر باہر نکل کر کسی سے حلال ریسٹورینٹ کا پتہ پوچھ رہا تھا,تا کہ وہ حلال ریسٹورینٹ میں حلال کھانا کھا سکے...دنیا کے بیشتر مسلمانوں کا یہ ہی حال ہے جیسا یہ عرب مسافر کا...پوری زندگی حرام کی کمائی کرتے ہیں اور ہر سال حج یا عمرے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور حج عمرے سے ان کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے ہیں اس خوش فہمی میں رہتے ہوئے حج عمرے کے بعد وہی پرانی بے ڈھنگی چال چلتے رہتے ہیں یعنی حرام کی کمائی میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح یہ زندگی کا معمول بن جاتا ہے۔یہ ہے آج کے مسلمانوں کا حلال اور حرام کا تصوّر۔آج کے مسلمانوں کی نظر میں کمائی یعنی دھندہ ایک الگ چیز ہے اور دین یعنی دین میں فرائض نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ الگ چیز ہے۔غلط طریقے سے حاصل کی ہوئی کمائی یعنی حرام کی کمائی کے ممنوع ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو قرآنی آیتیں اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم غلط طریقے سے کھا جاؤ حالانکہ تم یہ جانتے ہو سُورَةُ البَقَرَة کا ترجمہ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ سوائے اس کہ کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں سُورَةُ النِّسَاء آیت کسی مسلمان دانشور نے صحیح ہی کہا ہے کہ مسلمان حلال کمانے کی بجائے حلال کھانے کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔اسی لئے شمالی امریکا میں اسلام کے نام پر حلال کے نام تلے مسلمانوں کو بیوقوف بنانے والے تاجر چیزوں پر حلال کا نام لگا کر یہ چیزیں بہت ہی مہنگی بیچتے ہیں۔

ایک طبقہ حلال سرمایا کاری حلال مارگیج,حلال اسلامی بینکاری وغیرہ کی تشہیر کر کے اسلام کے نام تلے اسلامی ناموں سے اپنی حلال مصنوعات بیچنے کے لئے عوام کو جھانسا دیتا ہے کہ یہ اسلامی اور حلال چیزیں ہیں اسے خریدو۔دوسرے الفاظ میں یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کمرشل سرمایہ کاری کمرشیل مارگیج اور کمرشل بینکاری غیر اسلامی یعنی حرام ہے۔مگر کھل کر یہ کمرشل چیزیں حرام ہیں اور اس کی آمدنی حرام ہے اس کا فتویٰ نہیں دیتے ایک اور طبقہ اسلامی بنکاری اور اسلامی مالیاتی نظام عین حلال ہے اس کا فتویٰ دے کر لاکھوں وصول کرتا ہے اور یہاں تک کہ پاکستان میں ایسے فتوہ خور مفتیوں نے لمیٹیڈ کمپنیاں بنالی ہے اور شریعہ مشیر بن کر اسلامی بینکوں کی شاخوں سے کروڑوں کامل بنا رہے ہیں۔جو قرآنی کریم کی سُورَةُ البَقَرَة کی آیات کے مطابق اس طرح کی حرام کی کمائی سے اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں دوسرے الفاظ میں یہ مفتی حضرات فتوے کی قیمت لگا کر حلال کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں اور اس طرح دین اسلام کو ایک دھندہ بنا دیا ہے۔

مغربی دنیا میں حلال گوشت کی تصدیق کرنے والے ادارے بھی اسلام کے نام سے حلال گوشت کی تصدیق کر کے اس کا سرٹیفکیٹ دینے کی بھاری قیمت وصول کر کے اچھا خاصا مال بنا رہے ہیں کی دہائی میں پاکستان میں وزارت اوقاف نے بہت سی مسجدوں کو حکومتی تحویل میں لے لیا تھا۔اس لحاظ سے مسجد کے امام حکومت کے تنخواہ دار ہو گئے تھے۔اس لئے تمام اماموں کو ایک مراسلہ بھیجا گیا کہ اب وہ حکومت کے ملازم ہو گئے ہیں اور حکومت کے نظام میں ملازموں کے لئے پراویڈنٹ فنڈ کی سہولت ہے اور یہ فنڈ کی رقم کی سرمایہ کاری ہوتی ہے اور اس سرمایہ کاری پر سود بھی ملتا ہے تو اگر آپ سود لینا چاہیں تو لکھ کر دیں۔اس پر اس وقت کی اخباری خبروں کے مطابق ۵۰ فی صد اماموں نے سود لینے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کی تھی ... یہ خبر اس وقت کے ایک رسالے تکبیر میں میں نے خود پڑھی تھی...یہ تھا حرام تصوّر کی جانے والی چیز کو حلال سمجھنے کا طریقہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ شمالی امریکا میں مسجد میں نمازیوں سے چندہ لینے والے کمرشیل مولوی بھی مسجد کے چندے کے لئے نمازیوں سے گزارش کرتے وقت کبھی بھی خاص طور پر یہ نہیں کہتے کہ نمازی حضرات مسجد کے لئے چندہ صرف اور صرف اپنی حق اور حلال کی کمائی سے دیں۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو کی صرف ایک ہی مسجد میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے مسجد کی چندے کی پیٹی پر یہ عبارت پڑھی تھی کہ نمازی حضرات مسجد کے لئے چندہ صرف اپنی حق اور حلال کی کمائی سے دیں صرف اور صرف ایک ہی مسجد میں یہ دیکھا گیا ہے۔

صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو آج کے دور میں حرام اور حلال میں فرق کا تصوّر بالکل ختم ہو گیا ہے اور مسلمانوں نے اپنی زندگی میں حرام کی کمائی کو دل سے اپنا لیا ہے اور حرام کو حلال میں اس طرح ملا دیا ہے جیسے شیر و شکر جس طرح قرآن میں سُورَةُ البَقَرَة کی آیات 42 میں فرمایا گیا ہے کہ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اسی طرح مسلمانوں کو حلال کو کبھی بھی حرام کے ساتھ نہیں ملانا چاہیے اللہ تمام مسلمانوں کو صرف اور صرف حلال کمائی کی توفیق عطا کرے۔آمین

جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے

محمد فہد حارث/ سرمد خاں

اس مقولہ کا اصل مطلب اس وقت سمجھ میں آیا جب معاش کے سلسلے میں پہلی دفعہ ملک سے باہر جا کر رہنا پڑا۔ متحدہ عرب امارات میں عموماً ہر کام کافی تنظیم یعنی ڈسپلن کے ساتھ انجام دینے کی پابندی ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ قطار میں کھڑے ہوکر اپنی باریوں کا انتظار کرتے ہیں، چاہیں وہ کچھ خریدنے کیلئے ہو یا پھر کورونا کے پی سی آر ٹیسٹ کے لیے۔ لوگ پورے اطمینان کے ساتھ لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہوکر اپنی باریوں کا انتظار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی صورتحال ٹریفک کے سلسلے میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر شخص اپنی لین میں گاڑی چلا رہا ہوتا ہے۔ بغیر انڈیکیٹر دیئے عموماً لین نہیں بدلی جاتی۔ اگر ٹریفک جام ہو تو بھی لوگ اپنی اپنی لین میں ہی رہتے ہیں، لین بدلنی بھی ہوتی ہے تو انڈیکیٹر دے کر پیچھے والے کی مرضی کے بعد ہی بدلی جاتی ہے۔ اس سارے نظم اور ڈسپلن کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوتا نظر آتا ہے کہ یہاں رہنے والوں میں جلد بازی کا عنصر کسی حد تک ختم ہوجاتا ہے۔ لوگ سڑکوں پر خود آگے نکلنے کے بجائے دوسری گاڑی کو جگہ دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود میں جو کراچی میں ایک 'بدتمیز' ڈرائیور ہوا کرتا تھا، مجھ میں بھی یہ تہذیب پیدا ہوگئی کہ اب نہایت تحمل سے گاڑی چلانے لگا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ متحدہ عرب امارات میں عموماً کام نظم کے ساتھ ہوجاتے ہیں اور ٹریفک جام ہوتا بھی ہے تو پولیس اس کو جلد رفع دفع کروانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ گویا ڈسپلن، صبر اور تحمل کے سبب پہلے تو چیزیں بگڑنے کے امکانات بہت کم ہوجاتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے صورتحال بگڑ بھی جائے تو اس پر جلد قابو پا لیا جاتا ہے۔ جبکہ پاکستان میں اس کے مخالف صورتحال دیکھنے کو ملتی ہے۔ اپنی لین میں تو درکنار، کراچی میں عموماً لین ہی نظر نہیں آتیں۔ سڑکوں پر تمام نہ سہی لیکن اکثریت بغیر انڈیکیٹر کے لین بدلنے کی عادت میں مبتلا ہے۔ ہر ایک کو نجانے کس چیز کی جلدی پڑی رہتی ہے اور وہ دوسرے سے آگے بھاگنا چاہتا ہے۔ کچھ نیک خصلت اور تمیز دار لوگ جگہ بھی دیتے ہیں لیکن عام رویہ یہی ہے کہ جہاں تھوڑی سی جگہ نظر آئے فوراً اپنی گاڑی، رکشہ یا بائیک گھسیڑ دو چاہے پیچھے والا پیچ و تاب کھا کر دل میں آپ کو گالیاں نکالے یا پھر باآواز بلند آپ کی شان میں قصیدے پڑھے۔ ٹریفک جام میں تو اس سے زیادہ بدترین صورتحال دیکھنے کو ملتی ہے۔ ٹریفک جام ہونے کی عموماً وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ کوئی گدھا گاڑی، کوئی رکشہ، کوئی فور وہیل ڈرائیو یا تو غلط سمت سے آرہے ہوتے ہیں یا پھر جس راستے سے صرف ایک سواری کے ایک وقت میں گزرنے کی جگہ ہوتی ہے، وہاں سے دو مخالف سمتوں سے دو سواریاں بغیر سوچے سمجھے داخل ہوجاتی ہیں۔ اور یوں ٹریفک جام ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔

پھر ایک دفعہ ٹریفک جام ہوجائے تو جب تک رضا کار افراد اتر کر اس کو مکمل نظم اور ڈسپلن کے ساتھ رفع کرنے کی کوششیں نہ کریں، اس وقت تک کسی کو کوئی ہوش نہیں ہوتا اور ہر شخص ہر خالی جگہ میں اپنی گاڑی بغیر سوچے گھسانے کو تیار رہتا ہے جو کہ مزید ٹریفک جام کا سبب بنتا ہے۔ معلوم ہی نہیں چلتا کہ لوگوں کو کس چیز کی جلدی رہتی ہے۔ ورنہ اگر یہی لوگ تحمل کا مظاہرہ کر کے ایک دوسرے کو جگہ دینا شروع کردیں تو ٹریفک جام ہی نہ ہو اور اگر ہو بھی تو جلد رفع دفع ہوجائے۔ یقین جانئے پاکستان میں رضا کار افراد ایک نعمت ہیں، ایک رحمت ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوں تو بہت مشکل ہوجائے۔ مجھے یورپ کے کئی ملک گھومنے کا اتفاق ہوا ہے۔ سن ۲۰۱۳ میں جب یورپ گیا تو اٹلی میں لینڈ کیا یعنی وہاں سے داخل ہوا تھا۔ روم اٹلی میں بھی لوگوں کی سرشت میں جلد بازی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے، اسی سبب اطالوی لوگ عموماً باقی یورپ کے مقابلے میں کم تہذیب یافتہ یا بدتہذیب مشہور ہوتے ہیں۔ اور اس کا عملی مشاہدہ مجھے روم میں ہوا۔ آپ یورپ میں کہیں بھی چلے جائیں خاص کر جرمنی یا سوئٹزرلینڈ وغیرہ۔ پیدل چلنے والے کے سڑک پر پیر رکھتے ہی سڑک پر ٹریفک تھم جاتا ہے۔ یعنی پیدل چلنے والے افراد بغیر ڈر خوف کے سڑک پار کرسکتے ہیں۔ لیکن اٹلی میں یہ صورتحال دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ہم امارات سے جب اٹلی گئے تو یہی سوچا کہ یہاں بھی لوگوں کا سوک سینس یعنی مدنی شعور دبئی والا ہوگا، ''بس بخطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق'' کے مصداق ہم نے بھی نہ یہاں دیکھا اور نہ وہاں سڑک پر پاؤں جما دیئے۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی ایک گاڑی راستہ دینے کو رکی ہو، دوست نے ہم کو گریبان سے پکڑ کر پیچھے کھینچا کہ کیا کرتے ہو بھئی؟ خودکشی کا ارادہ ہے کیا؟ یہ روم اٹلی ہے، جرمنی یا دبئی نہیں کہ لوگ تمہارے سڑک پر پیر رکھتے ہی رُک جائیں گے۔ یہاں یہ اطالوی ڈرائیور آپ کو کچلتے ہوئے چلے جائیں گے اور آپ کو معلوم بھی نہ چلے گا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا۔ پس یہی وجہ رہی ہوگی کہ جتنے دن ہم اٹلی میں رہے کم و بیش ہر دن ٹریفک جام سے واسطہ پڑتا رہا۔ خیر بتانے کا مقصد یہ تھا کہ نظم، تنظیم اور ڈسپلن صبر و تحمل کا متقاضی تو ہوتا ہے لیکن اس سے انسان سو پریشانیوں سے بچ جاتا ہے۔ ایک زمانے میں یہ اوصاف مسلمان قوم کا خاصہ تھے تو انہوں نے دنیا میں خوب ترقی کی اور بحر و بر کو اپنا زیرنگیں کرلیا۔ آج یہی اوصاف ہم میں مفقود ہوگئے ہیں تو ہم غیر مہذب قوموں میں شمار ہونے لگے ہیں۔ جبکہ ہمارے دین میں باجماعت صلوٰۃ کی صف بندی سے لے کر رمضان کے روزے تک ہر عبادت نظم و ڈسپلن کا سبق دیتی ہے لیکن افسوس ہماری نمازیں ٹھونگیں مارنے اور ہمارے روزے فاقہ کرنے تک محدود ہوکر رہ گئے ہیں اور ہم نے عبادات کی اصلی روح اور مقاصد کو بھلا کر رکھ دیا ہے۔

عبید خان عبید

غمِ ہجر کی خلش کبھی، تو کبھی خوشی تھی وصال کی
جو کٹی تھی تیرے خیال میں، وہی زندگی تھی کمال کی
وہ جو شخص تھا مرا ہم سفر، کہیں راستے میں بچھڑ گیا
نہ مجھے ہے اس کا پتہ کوئی، نہ اسے خبر مرے حال کی
نہ لگن تھی اور نہ جنون تھا، کوئی کام تھا نہ سکون تھا
بڑی مشکلوں سے وہ دن کٹا تو شب آئی خواب و خیال کی
مرے عشق میں ہو اگر اثر، تو مہک اٹھے دل، بے خبر
تو پھر آئے اس کے جواب سے بھی سگند میرے سوال کی
مجھے ریزہ ریزہ کیا مرے غمِ دل کے سنگِ ملام نے
ذرا یہ وجود سمیٹ لوں تو لکھوں گا نظم ملال کی
کبھی مشکلوں سے ملا تھا جو، اسے آج ہم نے گنوا دیا
کوئی حد نہیں تھی خوشی کی تب، نہ اب انتہا ہے ملال کی
مجھے یاد ہے ، مرا اک سفر ، ترے ساتھ بام پہ بیٹھ کر
خنک انگلیوں سے سمیٹنا، وہ تمازتیں ترے گال کی
مرے شام رنگ چرا رہی تھی تمہارے سرخ لباس کا
وہ مہک فضا میں بکھر رہی تھی تمہاری سرمئی شال کی

اسلامی پاکستان کی حالت — ابن لطیف

کنڈیکٹر کو کرایہ دینے کیلئے سائیڈ جیب میں ہاتھ ڈالنے لگے تو ساتھ بیٹھے اجنبی نے ان کا ہاتھ سختی سے پکڑتے ہوئے کہا۔۔۔نہیں بابو صاحب آپ کا کرایہ میں دیتا ہوں" بابو نے بہت کہا کہ وہ اپنا کرایہ خود دے گا لیکن اجنبی بہت مہربان ہو رہا تھا اور اس کا کرایہ کنڈیکٹر کو دے دیا۔۔۔اگلے سٹاپ پر اجنبی بس سے اُترا اور بابو کسی چیز کو جیب سے نکالنے لگا تو سر تھام کر بیٹھ گیا، اس اجنبی نے اسکی جیب کا صفایا کر دیا تھا" دوسرے دن بابو صاحب نے اس چور کو بازار میں پکڑا تو وہ چور بابو کو گلے لگا کر رونے لگا۔۔"بابو صاحب مجھے معاف کردو تم سے چوری کرنے کے بعد میری بیٹی مرگئی" بابو نے نرم دلی سے ساتھ اس کو معاف کر دیا۔۔چور چلا گیا لیکن گلے ملتے وقت اس نے پھر بابو کی جیب کا صفایا کر دیا تھا"۔۔۔چند دنوں بعد بابو صاحب موٹر سائیکل پر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ان کو اس چور نے روکا، چور نے روتے ہوئے بابو صاحب سے معافی مانگی، بابو کو اس کے سارے پیسے بھی لوٹا دیئے اور پاس کی دوکان میں لے جا کر پیپسی پلانے کے بعد چلا گیا بابو خوشی خوشی جب اپنی موٹر سائیکل والی جگہ آیا تو دیکھا کہ اس بار چور اس کی موٹر سائیکل لے گیا تھا۔۔۔سبق۔۔۔یہی حال پاکستانی عوام اور حکمرانوں کا ہے، عوام بار بار ان پر اعتماد کرتے ہیں اور حکمران ہر بار انہیں نئے طریقے سے لوٹتے ہیں لیکن عوام ہیں کہ عقل کے اندھے ہیں۔

ایاز اکیڈمی یو کے کی جانب سے

ایک شام

رانا عبدالرزاق خان کے نام

ایاز اکیڈمی لندن کے زیر اہتمام معروف ادیب، کالم نگار، چھ کتابوں کے مصنف، تین عدد ادبی رسالوں کے ایڈیٹر، شاعر اور برطانیہ میں سینکڑوں مشاعروں کا انعقاد کرنے والے مکرم و محترم رانا عبدالرزاق خان کے اعزاز میں ایک ادبی شام منعقد کی جا رہی ہے جسمیں محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ایاز اکیڈمی ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔تقریب میں برطانیہ کے معروف شاعر اور ادیب شامل ہوں گے۔مکرم و محترم امام عطاء المجیب راشد صاحب، مکرم ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب کی شرکت متوقع ہے۔خزاں کی رُت میں گلاب لہجہ بنا کے رکھنا کمال یہ ہے، ہوا کی زَد پہ دیا جلا نا جلا کے رکھنا کمال یہ ہے، جیسے لازوال شعر کے خالق مکرم مبارک صدیقی صاحب سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔

آپ کو شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے۔

5 فروری بروز اتوار شام 4 بجے بمقام: بیت الاحسان مچم، یو کے

25 WILLOW LANE CR4 4TS

چشم براہ:: امجد مرزا امجد، عطاء القادر طاہر۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب، رانا محمد حسن ایڈیٹر پیشوا، شائق نصیر پوری، ڈاکٹر کلیم عاجز۔

کائنات سے باتیں کرنے والا

شاعر ناصر کاظمی

اشعر عالم عماد

اردو شاعری کے محققین نے میر تقی میر کو خدائے سخن کہا ہے جبکہ جدید طرزِ اسلوب کے پہلے شاعر ناصر کاظمی کو میر ثانی کہا جاتا ہے۔ ناصر رضا کاظمی ہمارے زمانے اور تہذیب کے دور میں پیدا تو ضرور ہوئے مگر وہ اپنے زمانے سے کئی صدیاں آگے بڑی ہمت سے جیتے رہے۔ لوگ نئی جہتیں ڈھونڈتے ہیں مگر ناصر نئی جہتیں ڈھونڈنے کے بجائے نئی جہتیں تسخیر کرتے رہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں جیسے تصوّر نے اُسے دیکھا ہے اکثر خرد کہتی ہے جس کو لامکانی نہ سمجھیں گے وہ نغمہ گرمی لے کو جو آواز کا زیر و بم دیکھتے ہیں زمین پر وہ منظر کھلا ہے کہ ناصر نیا آسماں روز ہم دیکھتے ہیں ناصر نے دنیا سے محبت نہیں کی بلکہ انہوں نے کائنات سے معتبر عشق کیا اسی لیئے چاند، سورج، ہوا، پھول پتے، کلیاں سب ناصر کی دوست تھیں اور وہ ان کے دوست تھے وہ چڑیوں کا محبوب تھے وہ بلبلوں کا حبیب تھے کائنات کی خوبصورتی جیسے ان سے باتیں کرتی تھی، ہوا، برسات سورج چاند تارے ناصر کو آنے والے حالات کا پتا بتاتے تھے۔

”ان سہمے ہوئے شہروں کی فضا کچھ کہتی ہے
کبھی تم سنو یہ دھرتی کیا کچھ کہتی ہے"
خزاں بہار اسے اپنا قصہ غم
سنانے آیا کرتی تھی
نہ سمجھو تم اسے شورِ بہاراں
خزاں پتوں میں چھپ کے رو رہی ہے"

ناصر کاظمی کا روایتی نظریئے سے زیادہ زمین کے ساتھ گہرا رشتہ تھا۔ اس زمین کے توسط سے ان کی پرندوں، درختوں، پہاڑوں، آبشاروں، ندیوں، دریاؤں، باغوں اور ہر شے سے گہری قربت تھی۔ ناصر کو ان کی خوشبو سے عشق تھا ان کی غزلوں سے اپنی مٹی کی خوشبو کی مہک آتی تھی۔ ان کی تمام شاعری کائنات کی بھینی خوشبو کی بازیافت کا نام ہے۔ ناصر کاظمی نے اس خوشبو سے آشنائی نہیں بلکہ گیان حاصل کیا وہ تمام عمر اس کی مہک کے رسیا رہے۔ اسی خوشبو کے سبب ان کی زندگی کے رویے ہجر و وصال کے موسموں سے آشنا ہوئے۔ ناصر کاظمی ایک شاعر نہیں تہذیب کا نام ہے جو اپنے کمال سے اپنے وصال تک ہر عہد میں زندہ تھے اور زندہ رہیں گے کائنات کی خوشبو کی طرح ہجر و وصال سمیت سارے موسم ان میں رہتے تھے وہ گزری ساعتوں کو اپنے دماغ میں محفوظ کرنے کا فن جانتے تھے وہ پل دو پل کے شاعر نہیں بلکہ وہ ہر لمحے کا شاعر تھے ناصر گھر میں رہتے تو در و دیوار ان سے ہم کلام ہو جاتے۔ ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصرؔ اداسی بال کھولے سو رہی ہے ناصر گھر سے باہر نکلتے تو خاموشی اور سناٹوں کے راز ان پر واہ ہو جاتے۔

ہم نے دیکھے ہیں وہ سناٹے بھی
جب ہر اک سانس صدا ہوتی ہے

باغیچوں میں جاتے تو پھول پودے پتے خزاں بہار اپنے دوست ناصر سے اپنی آپ بیتی لکھواتے۔

نہ سمجھو تم اسے شورِ بہاراں۔۔ خزاں پتوں میں چھپ کے رو رہی ہے
پھول خوشبو سے جدا ہے اب کے۔ یاروں یہ کیسی ہوا ہے اب کے
پتیاں روتی ہیں سر پیٹتی ہیں۔۔ قتل روتی ہیں سر پیٹی ہیں
قتلِ گل عام ہوا ہے اب کے۔۔ کیا سنیں شورِ بہاراں ناصر
ہم نے کچھ اور سنا ہے اب کے

ہجر کے سانحہ کو اتنی خوبصورت زبان ناصر کے سوا کسی نے نہیں دی اور نا ہی جدائی کے حادثے کو کسی نے اپنے شاعری کے کینوس پر اتنا خوبصورت مجسم دیا ہے؛ یہ سانحہ بھی محبت میں بارہا گزرا کسی نے حال بھی پوچھا تو آنکھ بھر آئی

ایک سے ترا پھول سا نازک ہاتھ تھا میرے شانوں پر
ایک یہ وقت کہ میں تنہا اور دکھ کے کانٹوں کا جنگل
یاد ہے اب تک تجھ سے بچھڑنے کی وہ اندھیری شام مجھے
تو خاموش کھڑا تھا لیکن باتیں کرتا تھا کاجل

ناصر کاظمی نئی طرزِ اسلوب غزل کی سلطنت کے پہلے تاجدار شہنشاہ ہیں ان کی سلطنت میں نئے دور کے کاسہ گروں کے لیئے جو خزانے چھپے ہیں وہ انہی کے کام کے ہیں جو ناصر کی طرح عشق کرنا چاہتے ہیں ورنہ بقول ناصر

یہی شعر ہیں مری سلطنت اسی فن میں ہے مجھے عافیت

مرے کاسہ شب و روز میں ترے کام کی کوئی شے نہیں

اس میں شبہ نہیں کہ ناصر کاظمی کو جدید غزل کے ارتقا میں ایک اہم مقام حاصل ہے، ان کا شعری اسلوب ایک جداگانہ رنگ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیقی شاعری میں ان کی الگ پہچان ہے۔ ان کا اسلوب سادگی، خلوص اور تازگی سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے اشعار بجلی کی طرح کوندتے ہیں اور آس پاس کی فضا کو منور کرتے ہیں۔

اے فلک بھیج کوئی برق خیال
کچھ تو شامِ شبِ ہجراں چمکے

ناصر کاظمی کائنات کی رنگینیوں کے شاعر تھے چڑیوں، کوئیلوں، پھول، کلیوں، پتوں خزاں بہار، پہاڑ، پربتوں کے ترجمان تھے یہی وجہ ہے کہ ناصر کاظمی نے انتقال سے قبل اپنے آخری انٹرویو میں اپنے دوست انتظار حسین صاحب سے کہا وہ کہتے ہیں۔ اس کے انتقال سے ایک مہینہ پہلے میں نے کہا ناصر اب ہم رُخصت ہوتے ہیں تو اس نے کہا ہاں! تم جا رہے ہو اب تم جا رہے ہو، تو اس شہر کی چڑیوں کو، اس شہر کے درختوں کو میرا اسلام کہہ دینا یہ اس کا آخری سلام تھا اور میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ اس کا سلام چڑیوں تک کیسے پہنچاؤں؟ جو بھی اس کے انتظار میں آج بھی باغوں میں چہکتی پھر رہی ہے۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ
وہ رات کا بے نوا مسافر وہ تیرا شاعر وہ تیرا ناصؔر
تری گلی تک تو ہم نے دیکھا تھا پھر نہ جانے کدھر گیا وہ
ترے ہونٹ کھلتے گلاب ہیں تری آنکھ محشرِ راز ہے
ترا حسن سازِ حیات ہے ترا مکھ وجود کا آز ہے
تری زلف شب کی ہے چاندنی ترا روپ رنگِ بہار ہے
ترا تل ہے گال کا تمتما ترا گال حسن کا ساز ہے
ترا لفظ لفظ ہے خاص تر تری بات عشق کی چاشنی
تری دلکشی ہے سرورِ جاں تری چال چالِ قاز ہے
تو گداز دل تو گداز لب تو عطائے ربِ کریم ہے
تو حسین ہے تو نگین ہے تو صفاتِ دلبرِ ناز ہے

آدمی نامہ۔ نظیر اکبرآبادی

دنیا میں پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ابدال، قطب و غوث، ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی
مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال

اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس میں جو پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کس کس طرح کی بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ آدمی

طبلے مجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا
اور آدمی ہی ناچے ہیں اور دیکھ پھر مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر میں بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بد تر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند سا
بد شکل بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے جن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کم خواب تاش شال دو شالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیراں ہوں یارو دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے
اور آدمی ہی چور ہے اور آپی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور بانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثل رانگ ہے
فولاد سے گڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زارزار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کے کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کار دل پذیر
یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

عشق نے جانے کیسے کیسے لوگوں کو برباد کیا
بے قابو جذبوں نے دل کو، باعثِ صد افتاد کیا

اک رستے پر، منہ پھیرے تو، ساتھ نہیں تھے چل سکتے
چلتے چلتے، پل دو پل، من فکروں سے آزاد کیا

لیلیٰ پر الزام نہ آئے، کس کس کو سمجھائیں، کیوں
مجنوں چھوڑ گئے ہیں کتنے شہر، اور دشت آباد کیا

عشق مجازی کرنے والے آخر کو یہ سمجھے ہیں
عشق حقیقی جس نے کیا ہے اُس نے اُسے دلشاد کیا

ہر سُو حُسن بکھیرا، دیکھو دونوں جہاں کے خالق نے
چہرے کو مہتاب بنایا، قامت کو شمشاد کیا

وقت ہے ریت کی مُٹھی جو ہاتھوں سے پھسلی جائے ہے
طارقؔ کون ہے جس کو تُو نے ایسے میں اُستاد کیا

مسلمان، یہود و نصاریٰ

ابنِ راجپوت

وہ مسلمان جسے اس کا دین ہتھیار بنانے اور گھوڑے پالنے کے لئے ترغیب دیتا تھا۔جب امریکی صدر ٹرمپ نے سعودی عرب کو جتلایا کہ امریکی تحفظ کے بغیر تمہاری حکومت دو ہفتے بھی نہیں چل سکتی۔ان ہی دنوں سعودیہ میں ایک اونٹ کو 16 ملین ریال کا سونے کا ہار پہنایا گیا تھا۔اسلام کا کتنا عبرتناک منظر تھا جب معتصم باللہ آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے سامنے کھڑا تھا...!کھانے کا وقت آیا تو ہلاکو خان نے خود سادہ برتن میں کھانا کھایا اور خلیفہ کہ سامنے سونے کی طشتریوں میں ہیرے جواہرات رکھ دیئے...!پھر معتصم سے کہا: کھاؤ، پیٹ بھر کر کھاؤ، جو سونا چاندی تم اکٹھا کرتے تھے وہ کھاؤ!بغداد کا تاج دار بیچارگی و بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

بولا میں سونا کیسے کھاؤں؟ہلاکو نے فوراً کہا: پھر تم نے یہ سونا اور چاندی کیوں جمع کیا؟وہ مسلمان جسے اس کا دین ہتھیار بنانے اور گھوڑے پالنے کے لئے ترغیب دیتا تھا، کچھ جواب نہ دے سکا۔!ہلاکو خان نے نظریں گھما کر محل کی جالیاں اور مضبوط دروازے دیکھے اور سوال کیا تم نے ان جالیوں کو پگھلا کر آہنی تیر کیوں نہیں بنائے؟تم نے یہ جواہرات جمع کرنے کی بجائے اپنے سپاہیوں کو رقم کیوں نہ دی کہ وہ جانبازی اور دلیری سے میری افواج کا مقابلہ کرتے؟خلیفہ نے تأسف سے جواب دیا:اللہ کی یہی مرضی تھی ہلاکو نے کڑک دار لہجے میں کہا پھر جو تمہارے ساتھ ہونے والا ہے وہ بھی خدا ہی کی مرضی ہوگی ہلاکو خان نے معتصم باللہ کو مخصوص لبادے میں لپیٹ کر گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا اور چشم فلک نے دیکھا کہ اس نے بغداد کو قبرستان بنا ڈالا...!ہلاکو نے کہا آج میں نے بغداد کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے پہلے والا بغداد نہیں بنا سکتی...!اور ایسا ہی ہوا۔

تاریخ تو فتوحات گنتی ہے محل، لباس، ہیرے، جواہرات اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے نہیں...!رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا مگر دیوار پر تلواریں ضرور لٹکی ہوئی ہوتی تھیں۔ذرا تصور کریں۔!جب یورپ کے چپے چپے پر تجربہ گاہیں اور تحقیقاتی مراکز قائم ہو رہے تھے تب یہاں ایک شہنشاہ دولت کا سہارا لے کر اپنی محبوبہ کی یاد میں تاج محل تعمیر کروا رہا تھا اور اسی دوران برطانیہ کا بادشاہ اپنی ملکہ کے دوران ڈلیوری فوت ہو جانے پر ریسرچ کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل سکول کی بنیاد رکھ رہا تھا۔۔!جب مغرب میں علوم و فنون کے بم پھٹ رہے تھے تب یہاں تان سین جیسے گویئے نت نئے راگ ایجاد کر رہے تھے اور نوخیز خوبصورت و پرکشش رقاصائیں شاہی درباروں کی زینت و شان بنی ہوئی تھیں۔!جب انگریزوں، فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کے بحری بیڑے برصغیر کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے تب ہمارے ارباب اختیار شراب و کباب اور چنگ و رباب سے مدہوش پڑے تھے۔تاریخ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ حکمرانوں کی تجوریاں بھری ہیں یا خالی شہنشاہوں کے تاج میں ہیرے جڑے ہیں یا نہیں درباروں میں خوشامدیوں، مراثیوں، طبلہ نوازوں، طوائفوں، وظیفہ خوار شاعروں اور جی حضوریوں کا جھرمٹ ہے یا نہیں تاریخ کو صرف کامیابیوں سے غرض ہوتی ہے اور تاریخ کبھی عذر قبول نہیں کرتی۔۔!یاد رکھیں جن کو آج بھی دولت سے لگاؤ اور طاغوت کی غلامی کا چسکا ہے ان کا حال خلیفہ معتصم باللہ سے کم نہیں ہوگا۔

قیمتی اثاثے کہاں چلے چلے گئے

پاکستان میں سونے تانبے کے کھربوں ڈالر کے ذخائر دریافت ہوئے پاکستانیوں کی حالت نہیں بدلی کامرہ میں فائٹر جیٹ طیارے مزائل بنا کر بیچنے شروع کر دیئے گئے لیکن پاکستان کی حالت نہیں بدلی لیکن مٹھو کباڑیئے کی اس بچی کی شادی جنرل قمر جاوید باجوہ کے 20 سال کے لونڈے سے طے ہوئی اس کے اکاونٹ میں 1.25 ارب روپے ٹرانسفر ہو گئے بیوی کے اکاونٹ میں 12 ارب روپے پہنچ گئے اور پاکستان کے سپہ سالار کو پتہ ہی نہیں چلا کہاں سے آ گئے پاکستانیوں جاگ جاؤ۔اس سے پہلے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے یہ جرنیل بیچ کر کہیں ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا کدھر چلے گئے۔

معذرت: دسمبر ۲۰۲۲ کے شمارے میں ایک غزل غلطی سے محترم انیس احمد نفیس صاحب کے نام سے شائع ہوگئی تھی۔بعد ازاں اس کی درستی بھی کردی گئی تھی۔لہٰذا ادارہ اس غلطی پر محترم انیس احمد نفیس صاحب سے معذرت خواہ ہے۔ آئندہ ایسی غلطی سے احتیاط کی جائے گی۔

(مدیر قندیل ادب انٹرنیشنل لندن)

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF
JEWELLERS
TIMELESS JEWELS, PRICELESS MEMORIES

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London
@sharifjewellers +44 7888 300 399

حق اور سچ دیکھنے کے لئے یوٹیوب چینل

9 Brothers TV International

9 Brothers Tv International دیکھئے

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.
24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست(ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق ودیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)